ماہنامہ
جہدِ حق

پاکستان کمیشن
برائے انسانی حقوق

Registered No. CPL-13

جلد نمبر 32... شمارہ نمبر 06... جون 2024



پنجاب ہتکِ عزت بل 2024: آزادیِ اظہارِ رائے پر ایک اور قدغن

☆ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟ (مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			
7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆ تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف پُر کر کے بھیجیں

سال 2023 معاشی ناانصافیوں اور آئین کی خلاف ورزیوں سے متاثر رہا

ایچ آر سی پی کی سالانہ رپورٹ کا اجراء

2023ء میں سیاسی تقسیم جاری رہی جس کے نتیجے میں شہری اور سیاسی حقوق پر زیادہ پابندیاں عائد ہوئیں۔اس کے علاوہ سال کے دوران بڑھتے ہوئے اخراجات کے باعث عام لوگوں کو شدید پریشانی کا سامنا رہا جس کے نتیجے میں ملک میں بڑے پیمانے پر احتجاجی مظاہرے ہوئے۔اس پس منظر میں، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے آج جاری ہونے والی اپنی سالانہ رپورٹ 'پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتحال 2023' میں، فوری طور پر معاشی انصاف اور شہری حقوق کے تحفظ پر زور دیا ہے۔

رپورٹ میں اس بات پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے کہ ملک میں جاری شدید سیاسی تقسیم 9 مئی 2023 کو سابق وزیراعظم عمران خان کی گرفتاری کے بعد آتش زنی اور تشدد کے واقعات پر منتج ہوئی۔اس کے بعد آئین کو واضح طور پر نظرانداز کیا گیا جب غیر منتخب قوتوں نے ملک کے جمہوری ڈھانچے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور شہری آزادیاں سلب ہو کر اب تک کی کم ترین سطح پر آ گئیں۔

9 مئی کے ہنگاموں پر ریاستی ردعمل کا مقصد اختلاف رائے کو دبانا تھا۔اس مقصد کے حصول کے لیے فوجی عدالتوں کو عام شہریوں پر مقدمہ چلانے کے لیے دوبارہ متعارف کرایا گیا، جبری گمشدگیوں کا ارتکاب کیا گیا، بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کی گئیں اور پارٹی کے بہت سے سینئر رہنماؤں کو مبینہ طور پر پی ٹی آئی سے علیحدگی اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا۔اظہار رائے اور اجتماع کی آزادی کے حق کو سال کے دوران خاصا نقصان پہنچا۔عام انتخابات بھی مختلف وجوہات کی بناء پر 90 دن کی آئینی حد سے زیادہ تاخیر کا شکار ہوئے۔انتخابات میں تاخیر کی ایک وجہ یہ بتائی گئی کہ حالیہ مردم شماری کی بنیاد پر نئی حلقہ بندیاں ضروری تھیں۔

قانون کی حکمرانی واضح طور پر ناقص رہی اور دہشت گردی کے واقعات اور انسداد دہشت گردی کی کارروائیوں میں ہلاکتوں کی تعداد چھ سالوں کی بلند ترین سطح پر پہنچ گئی، جبکہ باجوڑ اور مستونگ میں عسکریت پسندوں کے دو حملوں میں مجموعی طور پر کم از کم 117 افراد ہلاک ہوئے۔ ماورائے عدالت قتل کا سلسلہ جاری رہا، جبکہ اسٹریٹ کرائم اور ہجوم کی جانب سے ملزمان کی ہلاکتوں کے واقعات میں اضافہ ہوا۔

گزشتہ سالوں کی طرح ملک بھر میں صحافیوں اور سماجی اور سیاسی کارکنوں کو جبری طور پر لاپتا کیا جاتا رہا۔تاہم، نوجوان بلوچ خواتین نے قابلِ ستائش طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ماورائے عدالت قتل اور جبری گمشدگیوں کے خلاف احتجاج کے لیے تربت سے اسلام آباد تک لانگ مارچ کیا۔

اگر کمزور طبقات کی بات کی جائے تو مذہبی اقلیتوں کی جانب سے بڑھتے ہوئے خوف کے ماحول کی رپورٹس موصول ہوئیں۔خاص طور پر پنجاب کے علاقہ جڑانوالہ میں ایک مسیحی شخص کے خلاف توہین مذہب کے الزامات کے بعد ہجوم نے متعدد گرجا گھروں اور گھروں کو نذر آتش کیا اور لوٹ مار کی۔ وفاقی حکومت کے غیر رجسٹرڈ غیر ملکیوں کو ملک بدر کرنے کے فیصلے کے بعد خاص طور پر افغان شہریوں کو پولیس نے چھاپے مار کر گرفتار کیا اور انہیں ملک بدری کے مراکز میں منتقل کر دیا جہاں انہیں کسی قسم کی قانونی معاونت حاصل نہیں تھی۔

رپورٹ کے اجراء کے موقع پر ایچ آر سی پی کے سیکرٹری جنرل حارث خلیق نے کہا کہ 2023 کے معاشی بحران نے ' کروڑوں عام شہریوں کو مایوسی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ جبری گمشدگیوں کے واقعات کی ایک بڑی تعداد پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے جبری گمشدگیوں سے متعلق تحقیقاتی کمیشن کے کردار اور کارکردگی کو 'شرمناک' قرار دیا۔

ایچ آر سی پی کے چیئرپرسن اسد اقبال بٹ نے کہا کہ ریاست کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کے تعلیم، معاش اور صحت کے حق کو یقینی بنائے۔انہوں نے ٹریڈ یونین تشکیل دینے کی کم شرح پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جب مزدور یونین بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو انہیں مسلسل ہراساں کیا اور دھمکایا جاتا ہے۔

وائس چیئرپرسن ایچ آر سی پی اسلام آباد نسرین اظہر نے کہا کہ مذہب کا سیاسی مقاصد کے لیے ناجائز استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ پریس کانفرنس کے اختتام پر کو چیئرپرسن منیزے جہانگیر نے کہا کہ ریاست کو تمام سیاسی جماعتوں اور گروپس کے پرامن احتجاج کے حق کا تحفظ کرنا چاہیے۔انہوں نے نشاندہی کی کہ ایک حکومت کے دور میں منظور کیے گئے جابرانہ قوانین انہی لوگوں کے خلاف استعمال ہوں گے جب وہ حزب اختلاف میں ہوں گے۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔08 مئی 2024]

فہرست

پنجاب کا ہتک عزت کا بل آزادی اظہارِرائے کے منافی ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے پنجاب اسمبلی میں پیش کیے گئے مجوزہ ہتک عزت بل پر شدید تشویش کا اظہار کیا ہے۔

بل کا مواد اور متن کئی حوالوں سے پریشان کن ہے۔ پہلی بات یہ کہ اس بل میں ہتک عزت کے دعووں کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک متوازی ڈھانچہ تجویز کیا گیا ہے۔ ایچ آر سی پی خصوصی متوازی عدالتی ڈھانچوں کو اس بنیاد پر مسترد کرتا رہا ہے کہ وہ بنیادی حقوق اور منصفانہ عدالتی کارروائیوں سے متعلق دیگر عالمی طور پر تسلیم شدہ اصولوں کے منافی ہیں۔

دوسری بات یہ کہ بل میں ہتک عزت کے ٹربیونلز کے قیام کی تجویز دی گئی ہے جب کہ حکومت کو موجودہ ماتحت عدلیہ کے مقابلے میں زیادہ الاؤنسز اور مراعات پر ججوں کے تقرر کا اختیار دیا گیا ہے۔

تیسری بات یہ کہ ہتک عزت کے تمام مقدمات کو 180 دن کی مختصر مدت میں نمٹانا ہوگا۔ بل میں تجویز کیا گیا ہے کہ ہتک عزت کی درخواست موصول ہونے پر ہتک عزت کے ٹربیونلز بغیر کسی ٹرائل کے فوری طور پر 30 لاکھ روپے تک کے معاوضے کی ادائیگی کا عبوری حکم نامہ جاری کرنے کے مجاز ہوں گے۔ یہ اظہار رائے اور اختلاف رائے کی آزادی کے لیے بہت بڑا دھچکا ہوگا۔ غالب امکان یہ ہے کہ ایسے احکامات معین طریق کار کی پیروی اور منصفانہ ٹرائل کو یقینی بنائے بغیر جاری کیے جائیں گے۔

چوتھی بات یہ کہ مسودہ قانون میں آئینی عہدوں کے حامل افراد جیسے کہ وزیراعظم، چیف جسٹس اور فوجی سربراہان اور دیگر پر مشتمل ایک خاص کیٹیگری تشکیل دی گئی ہے۔ ان کیٹیگریز سے متعلق ہتک عزت کے دعووں کی سماعت لاہور ہائی کورٹ کے جج پر مشتمل خصوصی یک رکنی ٹربیونلز کریں گے۔ یہ شق شہریوں کی مساوات اور قانون کے سامنے برابری کے اصول کے منافی ہے۔

ایچ آر سی پی کو اس بات پر بھی تشویش ہے کہ یہ بل انتہائی عجلت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ سول سوسائٹی اور ڈیجیٹل اور مرکزی میڈیا کے اداروں کے ساتھ کسی بھی بامعنی مشاورت کے لیے پانچ دن کا وقت انتہائی کم ہے، خاص طور پر ایک ایسی پیچیدہ قانونی تجویز کے تناظر میں جو آن لائن پلیٹ فارمز پر رائے عامہ تشکیل دینے والوں کے پورے نظام کو متاثر کرے گی۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 20 مئی 2024]

ایچ آر سی پی نے مقامی حکومتوں کے استحکام کے لیے آئینی ترمیم کی ضرورت پر زور دیا ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے مقامی حکومتوں کو آئینی تحفظ دینے کے لیے دہلیز کے تعاون سے ایک مشاورت منعقد کی۔ اس دوران ایک پالیسی دستاویز پیش کی جس میں آئین کے آرٹیکل 140 (الف) میں ترمیم کی تجویز شامل ہے۔ اراکین پارلیمان، پالیسی سازوں اور سول سوسائٹی کے نمائندوں نے پالیسی دستاویز پر مُفصّل بحث کی۔

ایچ آر سی پی کی ڈائریکٹر فرح ضیاء نے تقریب کا تعارف پیش کرتے ہوئے ملکی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے آگاہ کیا کہ کس طرح پاکستان میں مقامی حکومتوں کو آمروں کی حمایت تو حاصل رہی ہے مگر جمہوری طور پر منتخب حکومتوں نے انہیں اتنی اہمیت نہیں دی۔ چنانچہ، مقامی حکومتوں کو مکمل آئینی تحفظ کی اشد ضرورت ہے۔

شہری حقوق کے ماہر، اور ایچ آر سی پی کی پالیسی دستاویز کے مُحقق ظفر اللہ خان نے مجوزہ تجویز پیش کی اور دنیا بھر کے وفاقی نظاموں، جن میں سے بیشتر میں صُوبوں کے اپنے دساتیر ہیں، میں اختیارات کی تقسیم کے تصور پر روشنی ڈالی۔ اُنہوں نے کہا کہ مقامی حکومتوں کے انتخابات کا مخصوص وقت طے کرنے کے لیے آئین میں ترمیم ضروری ہے تا کہ شہریوں کی ضروریات کو حکومت کی تمام سطحوں پر نمائندگی اور توجہ مل سکے۔

دیگر شرکاء نے بھی مجوزہ ترمیم پر اظہارِ خیال کیا۔ پاکستان مسلم لیگ نواز (پی ایم ایل-این) کے رُکن قومی اسمبلی بلال کیانی نے مقامی حکومتوں کے تسلسل کے لیے آئینی ترمیم کے تصور کی حمایت کی اور امید ظاہر کی کہ قائمہ کمیٹیوں اور کوکسز کی تشکیل کیساتھ اس تجویز پر سنجیدہ غور و خوض ہوگا۔ عوامی ورکرز پارٹی (اے ڈبلیو پی) کے فرمان علی نے مقامی نظامِ حکومت کی مضبوطی کے لیے آئینی ترمیم کے ساتھ ساتھ سیاسی جماعتوں میں جمہوریت لانے کی ضرورت پر زور دیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) سے تعلق رکھنے والے سبطِ حید بخاری اور فافن کے نیشنل کوآرڈی نیٹر رشید چوہدری نے مقامی حکومتوں کے استحکام کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اِس مشاورت کے بعد بھی اِس معاملے پر کام جاری رہنا ضروری ہے۔

ایچ آر سی پی کے کونسل رُکن فرحت اللہ بابر نے تجویز پیش کی کہ اسلام آباد اپنے لیے مقامی حکومت کا قانون منظور کرے جو کہ دیگر حکومتوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوسکتا ہے۔ انہوں نے یہ تجویز بھی سامنے رکھی کہ صوبوں کی طرف سے اقوامِ متحدہ کے پائیدار ترقی کے اہداف (ایس ڈی جیز) پر عملدرآمد کرنے اور مقامی حکومتوں کو خود مختاری دینے پر نیشنل فنانس کمیشن ایوارڈ میں صوبوں کو حصہ ملے۔ اس سے انہیں ایسا کرنے کی تحریک ملے گی، اِس کے علاوہ، مقامی حکومت میں عورتوں، مذہبی اقلیتوں، نوجوانوں، معذوریوں سے متاثر افراد، اور خواجہ سراؤں کا کوٹہ مختص ہونا بہت ضروری ہے تا کہ وہ مقامی حکومتوں کے انتخابات میں بطورِ امیدوار حصہ لے سکیں۔

ایچ آر سی پی کے سیکرٹری جنرل حارث خلیق نے بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا یہ انتہائی ضروری ہے کہ مقامی حکومتوں میں افسر شاہی کے اثر و رسوخ کو ختم کیا جائے۔ انہوں نے یقین دہانی کرائی کہ ترمیم کے لیے سیاسی و عوامی حمایت حاصل کرنے کی خاطر ایچ آر سی پی مشاورت کا سلسلہ جاری رکھے گا۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 30 مئی 2024]

ایچ آر سی پی کے ٹویٹس

1 مئی: مزدوروں کے عالمی دن کے موقع پر، ایچ آر سی پی ہر ایک کاشتکار، کان کُن، خاکروب، اُستاد، شعبہ صحت سے منسلک محنت کش، گھریلو ملازم، بھٹہ مزدور، تارکین وطن مزدور، اور فیکٹری مزدور کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔ اِس ملک کی ترقی کا تمام تر دارومدار اُن کی محنت پر ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ:. 1 تمام مزدوروں کو منصفانہ اُجرت دی جائے۔ .2 تمام مزدوروں کو کام کے سازگار حالات، پیشہ ورانہ حفاظت، صحت، تعلیم، تربیت اور آرام و فراغت کا

حق فراہم کیا جائے۔ .3انہیں ٹریڈ یونینیں بنانے اور اجتماعی سوداکاری کرنے کا حق دیا جائے، اور مذہب، ذات، جنس اور لسانی شناختوں کی بنیاد پر درپیش رکاوٹوں سے آزاد کیا جائے۔ .4 سماجی فلاح و بہبود اور تحفظ کو عالمگیر استحقاق تصور کیا جائے۔ .5 ہر قسم کی محنت کو باوقار روزگار سمجھا جائے۔

2 مئی: ایچ آر سی پی ممتاز سیاست دان مختار باچا کے انتقال پر گہرے دکھ کا اظہار کرتا ہے۔ جمہوریت اور بنیادی حقوق کے لیے ان کی زندگی بھر کی جدوجہد کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ہم ان کے خاندان اور دوستوں کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

4 مئی: ایچ آر سی پی کو خضدار پریس کلب کے صدر محمد صدیق مینگل کی ایک کار بم حملے میں مبینہ ٹارگٹ کلنگ پر سخت تشویش ہے۔ واقعے میں دو دیگر افراد ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے تھے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ واقعہ آزادیِ صحافت کے عالمی دن پر پیش آیا ہے۔ ایک ایسے صوبے میں جہاں صحافی پہلے ہی شدید دباؤ اور خطرات کے زیر اثر کام کر رہے ہیں، اس حملے کے میڈیا پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ ایچ آر سی پی کو موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق، بہت سے صحافی خوف کی وجہ سے خضدار سے نقل مکانی کر چکے ہیں۔ ایچ آر سی پی مطالبہ کرتا ہے کہ حملہ آوروں کو جلد از جلد قانون کے کٹہرے میں لایا جائے۔ بلوچستان کو بھی صحافیوں کے تحفظ کے لیے فوری طور پر قانون سازی کرنی چاہیے اور صحافیوں کے تحفظ کے لیے ایک کمیشن قائم کرنا چاہیے تاکہ ایسے حملوں کے مرتکب افراد کے محاسبے کو یقینی بنایا جا سکے۔

7 مئی: آج ایچ آر سی پی کے ملتان چیپٹر کے کوآرڈینیٹر اور وکیل راشد رحمان کے قتل کو دس سال گزر چکے ہیں۔ وہ انسانی حقوق کے ایک سرگرم دفاع کار تھے جنہیں توہین مذہب کے قوانین کے غلط استعمال کا شکار ہونے والے ملزم کا مقدمہ لڑنے پر فائرنگ کر کے قتل کر دیا گیا تھا۔ ایک ایسے وقت میں کہ جب پاکستان میں ضمیر، فکر اور عقیدے کی آزادی کا حق محدود ہوتا جا رہا ہے، راشد رحمٰن اب بھی ہمت اور عزم کی مثال بنے ہوئے ہیں۔ ایچ آر سی پی ریاست کو یاد دلاتا ہے کہ کسی بھی انسانی حقوق کے دفاع کار کو اپنے کام کی قیمت اپنی زندگی کی صورت میں ادا نہیں کرنی چاہیے۔ اگر ریاست حقوق کی فراہمی پر قائم رہنے کا دعوی کرتی ہے تو اسے راشد رحمان کے قاتلوں کی شناخت کر کے انہیں سزا دینی چاہیے اور یہ یقینی بنانے کے لیے ٹھوس اقدامات کرنے چاہئیں کہ توہین مذہب کے قوانین کا مزید غلط استعمال نہ ہو۔

ہم ایچ آر سی پی خیبر پختونخوا کے سابق وائس چیئرمین شیر محمد خان کے انتقال پر گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہیں۔ شیر محمد خان ایک انتہائی معزز بیرسٹر اور پشاور ہائی کورٹ کے سابق جج تھے۔ ایچ آر سی پی کے وائس چیئرپرسن کے طور پر انہوں نے کئی اہم فیکٹ فائنڈنگ مشنز کی قیادت کی اور صوبے بھر میں انسانی حقوق کے دفاع کاروں کو متحرک کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ انسانی حقوق کے ان چند کارکنوں میں سے ایک تھے جنہوں نے ایسے وقت میں سوات میں رہنے کا انتخاب کیا جب یہ علاقہ بڑھتی ہوئی عسکریت پسندی کی لپیٹ میں تھا۔ ایچ آر سی پی میں ان کی طویل عرصے کی شراکت ان تمام لوگوں کو یاد رہے گی جنہوں نے ان کے ساتھ کام کیا۔ ہم ان کے خاندان، دوستوں اور ساتھیوں سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔

13 مئی: ایچ آر سی پی کو آزاد جموں و کشمیر (اے جے کے) میں جاری تشدد پر شدید تشویش ہے۔ ہم حکام سے مطالبہ کرتے ہیں کہ مظاہرین کی شکایات کا فی الفور اور پُرامن طریقے سے ازالہ کیا جائے۔ علاقے کے عوام کے مناسب اور جائز مطالبات تسلیم کیے جائیں اور اُن کے بنیادی حقوق کا احترام کیا جائے۔ ایچ آر سی پی اے جے کے میں انسانی حقوق کے کارکنوں سے رابطے میں ہے اور صورتِ حال کی تحقیقات کے لیے علاقے میں فیکٹ فائنڈنگ مشن بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

20 مئی: ہم ایچ آر سی پی خیبر پختونخوا کے سابق وائس چیئرمین شیر محمد خان کے انتقال پر گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہیں۔ شیر محمد خان ایک انتہائی معزز بیرسٹر اور پشاور ہائی کورٹ کے سابق جج تھے۔ ایچ آر سی پی کے وائس چیئرپرسن کے طور پر انہوں نے کئی اہم فیکٹ فائنڈنگ مشنز کی قیادت کی اور صوبے بھر میں انسانی حقوق کے دفاع کاروں کو متحرک کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ انسانی حقوق کے ان چند کارکنوں میں سے ایک تھے جنہوں نے ایسے وقت میں سوات میں رہنے کا انتخاب کیا جب یہ علاقہ بڑھتی ہوئی عسکریت پسندی کی لپیٹ میں تھا۔ ایچ آر سی پی میں اُن کی طویل عرصے کی شراکت ان تمام لوگوں کو یاد رہے گی جنہوں نے ان کے ساتھ کام کیا۔ ہم اُن کے خاندان، دوستوں اور ساتھیوں سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں۔

24 مئی: ایچ آر سی پی کو لوئر دیر کے ایک مدرسے میں سات سے آٹھ سالہ عائشہ بی بی کے ساتھ زیادتی اور قتل کے بارے میں جان کر تشویش ہے۔ 2023 میں پاکستان میں بچوں کے ساتھ زیادتی کے 4,200 سے زیادہ واقعات رپورٹ ہوئے۔ بچوں کے خلاف تشدد بالکل ناقابلِ معافی ہے اور اس سے سختی سے نمٹا جانا چاہیے۔ ایچ آر سی پی خیبر پختونخوا حکومت پر زور دیتا ہے کہ وہ گرفتار مجرموں کو قانون کے سامنے مکمل طور پر جوابدہ بنائے۔ سزا سے استثنا کا کلچر اب ختم ہونا چاہیے۔

24 مئی: ایچ آر سی پی کو ملک میں صحافیوں کو درپیش صورتحال پر سخت تشویش ہے۔ صرف اس سال مبینہ طور پر کم از کم تین صحافی ٹارگٹ کلنگ کا شکار ہوئے ہیں۔ عوامی آواز کے صحافی نصر اللہ گڈانی جنہیں 21 مئی کو گھوٹکی میں نامعلوم مسلح افراد نے فائرنگ کر کے شدید زخمی کر دیا تھا، آج صبح زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسے۔ سندھ حکومت کو ان کے قتل کی تحقیقات کرنی چاہئے اور سندھ پروٹیکشن آف جرنلسٹس اینڈ ادر میڈیا پریکٹیشنرز ایکٹ کے نفاذ کے لیے تمام ضروری اقدامات کرتے ہوئے مجرموں کو انصاف کے کٹہرے میں لانا چاہئے۔

25 مئی: ایچ آر سی پی کو سرگودھا میں اِس وقت سامنے آنے والی صورتِ حال پر شدید تشویش ہے جہاں اِطلاعات کے مطابق، گاؤں گِلّ والا میں مشتعل ہجوم کے ہاتھوں مسیحی برادری کی زندگی بہت بڑے خطرے سے دوچار ہے۔ ایسی غیر مصدقہ اطلاعات بھی ہیں کہ مُتشدد ہجوم نے ایک شخص کو مار مار کر ہلاک کر دیا ہے۔ پنجاب پولیس اور ضلعی انتظامیہ فوری طور پر امن و امن بحال کرے، مجرموں کی سرکوبی کرے، اور اس کے ساتھ ساتھ یقینی بنائے کہ مسیحی برادری کو مزید کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔

ہتک عزت بل: اختلافِ رائے کو دبانے کا ایک حربہ

عمر جاوید

صحافیوں اور انسانی حقوق کی تنظیموں کے ساتھ ساتھ حزبِ اختلاف کے قانون سازوں کی جانب سے اٹھائے گئے شدید اعتراضات کے باوجود گزشتہ ہفتے پنجاب اسمبلی نے عجلت میں ہتک عزت کا بل منظور کرلیا۔ یہ بل، جس کے نفاذ سے پہلے اب صرف گورنر کی منظوری درکار ہے، 'جعلی خبروں' اور دانستہ 'غلط معلومات' کے معاملات سے نمٹنے کے لیے خصوصی ٹربیونلز تجویز کرتا ہے، جس میں تعزیری نقصانات کے طور پر 30 لاکھ روپے جرمانہ سے لے کر اس رقم سے 10 گنا تک کی سزائیں شامل ہیں۔

اس بل کی منظوری ایک باعث تشویش پیش رفت کیوں ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں۔ یہ ریاست کو جھوٹی خبروں سے نمٹنے کے نام پر تقریر پر پابندی لگانے کا جواز فراہم کرتا ہے۔ اس سے حزب اختلاف کی سیاست کو نشانہ بنانے کا ایک نیا راستہ کھل جائے گا؛ اور یہ موجودہ قانونی ڈھانچے سے باہر غیر جوابدہ، واحد رکنی پلیٹ فارمز کو بااختیار بناتا ہے تاکہ یہ تعین کیا جاسکے کہ ہتک عزت کیا ہے۔

ان تمام معاملات کی تفصیل میں جانے سے پہلے یہ سوچنے کے لیے کافی بنیاد موجود ہے کہ آیا اس نوعیت کا ہتک عزت کا قانون اس مسئلے کو حل کرنے میں مدد دیتا ہے جو اس کا ہدف ہے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کا وسیع استعمال معلومات کی حد سے زیادہ فراہمی کا باعث بنا ہے اور زیادہ تر معلومات میں درستگی کا فقدان ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ اس طرح کی معلومات کا پھیلاؤ اب بہت تیزی سے ہوتا ہے جس کے اثرات دانستہ یا غیر دانستہ طور پر زیادہ تیزی سے اور وسیع پیمانے پر مرتب ہوتے ہیں۔

اس تناظر میں، یہ لگتا ہے کہ کسی قسم کے قانونی علاج کی ضرورت ہے، جو ہتک عزت کے قوانین عموماً پر فراہم کرتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں حکومت علاج کی نوعیت پر اجارہ داری قائم کر رہی ہے، جب کہ وہ مسئلے کے پیمانے اور نوعیت کا تعین کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ یہ کام فریقین کے وسیع تر نیٹ ورک کے ذریعے محتاط غور وفکر کا مستحق ہے جس میں سوشل میڈیا پلیٹ فارمز، صحافیوں کی تنظیمیں، اور حقوق کے ادارے، خاص طور پر ڈیجیٹل حقوق پر کام کرنے والے ادارے شامل ہیں۔

ریاستی حکام کے ہاتھ میں اس طرح کی سزا کا قانونی آلہ ہونا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حکام کی نیت میں جبر کا عنصر نمایاں ہے۔

اس تازہ ترین قانون سازی کے بارے میں احتیاط اور شکوک و شبہات کی ایک بنیادی وجہ تقریر سے متعلق مسائل، خاص طور پر آن لائن اظہار رائے کے حوالے سے پاکستانی حکام کی مخصوص تاریخ ہے۔ 2015 میں پی ایم ایل۔این حکومت کے تحت پیکا کی منظوری اور حالیہ برسوں میں اس کے بعد کی جانے والی ترامیم کے اثرات آزادء اظہار کے لیے نقصان دہ رہے ہیں، خاص طور پر حقوق کے کارکنوں اور تنقیدی آراء (جیسے حزب اختلاف کی آراء) کے حوالے سے۔ اس نکتے کا لاہور پریس کلب کے نمائندوں نے بخوبی اظہار کیا جنہوں نے موجودہ حکومت کے دوہرے معیار کی نشاندہی کی، جس نے حزب اختلاف میں رہتے ہوئے تو پیکا ترامیم کے خلاف صحافیوں کا ساتھ دیا، لیکن اقتدار میں آنے کے بعد انہیں عجلت میں منظور کرلیا۔

اس کا حتمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پیکا کا جو جواز فراہم کیا گیا ہے کہ یہ شہریوں کے آن لائن حقوق کا تحفظ کرے گا، اسے اس ایکٹ کے ذریعے ہی ختم کر دیا گیا ہے۔ اس کے بجائے، اس قانون کی منظوری سے ریاست کی جانب سے خود کو بااختیار بنانے کے لیے قانون کو شہریوں کے خلاف استعمال کیے جانے کا امکان بڑھ جائے گا۔ یہ ایک ایسی ریاست کا فطری نتیجہ ہے جو بنیادی طور پر قومی سلامتی کے خودساختہ تصور کو ترجیح دیتی ہے، اور اپنی آبادی کے کچھ حصوں کو عدم تحفظ اور خطرے کے منبع کے طور پر دیکھتی ہے۔ یہ تصور ریاست کے ڈھانچے کے اندر سویلین اور سیکورٹی اداروں کے درمیان عدم توازن کا نتیجہ ہے۔

محتاط رہنے کی دوسری وجہ وقت اور وہ سیاسی تناظر ہے جس میں یہ بل تیار کیا گیا ہے۔ پچھلے دو سالوں میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں اضافہ دیکھا گیا جو پی ٹی آئی پر متعدد قانونی اور غیر قانونی پابندیوں پر منتج ہوا۔ حزبِ اختلاف کی جماعتوں کی جانب سے سوشل میڈیا کے استعمال کو اکثر اس کی پائیدار مقبولیت کی ایک اہم وجہ قرار دیا جاتا ہے، جس نے اسے ایک بے مثال، باغیانہ انتخابی مہم چلانے اور ملک کی سب سے بڑی پارٹی کے طور پر ابھرنے کا موقع دیا۔

ہتک عزت کے اس قانون کا بنیادی مقصد سوشل میڈیا کو قانون کے دائرے میں لانا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، اسے ایسا قانونی آلہ قرار دینا مناسب ہوگا جسے پہلے سے زیرِ عتاب ایک سیاسی جماعت کے خلاف استعمال کیا جاسکے گا، اور اس کے نتیجے میں اس جماعت کی ایک مؤثر حزبِ اختلاف کے طور پر کردار ادا کرنے کی صلاحیت مزید محدود ہو جائے گی۔ اگرچہ، اس میں کوئی شک نہیں کہ سوشل میڈیا کی غلط معلومات پی ٹی آئی کی سیاسی حکمت عملی کا ایک اہم حصہ رہا ہے، لیکن ریاستی حکام کے ہاتھ میں اس طرح کا ایک تعزیری قانونی آلے کا ہونا جبر کے ارادے کی نشاندہی کرتا ہے۔

آخر میں، ایک متوازی عدالتی ڈھانچے کے قیام، جس پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے سخت تشویش کا اظہار کیا ہے، کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ ایچ آر سی پی نے ایک حالیہ بیان میں کہا ہے کہ عدالتی کارروائیوں کے لیے مقرر کی گئی 180 دن کی مقررہ مدت، چاہے اس میں نیک نیتی کا عنصر ہی کیوں نہ کارفرما ہو، قانونی عمل کے معیار کو نقصان پہنچاتی ہے اور نسبتاً جلد بازی میں بڑی سزاؤں کا باعث بن سکتی ہے۔ اس سے ملک میں موجودہ شہادت کے قوانین کی دفعات کے نظرانداز ہونے کا بھی امکان ہے۔

مزید برآں، یہ بل حکومت کو ٹربیونل کے اراکین (جن کا انتخاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کریں گے) کے تقرر اور عدلیہ کی جانب سے دیے جانے والے موجودہ معاوضوں سے زیادہ معاوضے مقرر کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ یہ اقدام اس لحاظ سے پریشان کن ہے کہ یہ حکومت کو عدلیہ میں مداخلت کا موقع فراہم کرتا ہے اور اسے سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مجموعی طور پر، میڈیا اور انسانی حقوق پر کام کرنے والی سول سوسائٹی نے اس بل کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے، ساتھ ہی مقنّنہ میں پی ٹی آئی-ایس آئی سی کے اراکین کی جانب سے بھی مخالفت متوقع ہے۔ حکومت کی جانب سے اس قانون سازی کو روکنے اور جانچنے کے لیے یہی جواز کافی ہے۔

اس ملک میں جعلی خبروں کا مسئلہ سزا دے کر حل کرنے کی کوشش، حکومتی نیت اور اس قانون کے متوقع استعمال پر شدید شکوک کو جنم دیتی ہے جو حکومت کے کردار پر ایک سوالیہ نشان ہے۔ اس سے سول سوسائٹی کے اہم فریقین اور ریاست کے درمیان بڑھتی ہوئی بے اعتمادی اور ان جمہوری اصولوں کے خاتمے کی عکاسی ہوتی ہے جو سیاسی اپوزیشن کے کام کرنے کی گنجائش فراہم کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پاکستانی حکام جائز ذرائع سے عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے بجائے طاقت، قانونی اور غیر قانونی دونوں، پر انحصار کرتے ہیں۔ (انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ روزنامہ ڈان)

مذہبی اقلیتوں کے حقوق پر عدالتِ عظمیٰ کا 2014 کا فیصلہ: بنیادی نکات

فیصلے کا پس منظر۔ 2013 میں آل سینٹ چرچ پشاور پر جان لیوا خودکش بم دھماکے میں 81 افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہوئے۔ پاکستان میں مذہبی اقلیتوں پر چھائے خوف کے ماحول کے پیشِ نظر، اُس وقت کے چیف جسٹس پاکستان، جسٹس تصدق حسین جیلانی نے اقلیتوں کے مسائل سے متعلق زیرِ سماعت نو درخواستوں کو اکٹھا کرتے ہوئے، آرٹیکل 184 (3) کے تحت واقعے کا ازخود نوٹس لیا تھا۔

19 جون 2014، چیف جسٹس کی سربراہی میں عدالتِ عظمیٰ کے تین رکنی بنچ نے ایک تاریخ ساز فیصلہ سنایا جس نے آئین میں مذہبی آزادی سے متعلق کئی اہم معاملات طے کیے اور اقلیتوں کے تحفظ کے لیے عملی انتظامات اور ادارہ جاتی نظام فراہم کیا۔

فیصلے نے کیا سفارشات کیں؟

- مذہبی برداشت سے متعلق حکمتِ عملی تشکیل دینے کے لیے ٹاسک فورس کا قیام۔
- مذہبی وسماجی برداشت کے فروغ کے لیے اسکول اور کالج کی سطح پر بہتر نصاب متعارف کروایا جائے۔
- وفاقی حکومت سوشل میڈیا پر مذہبی اقلیتوں کے خلاف نفرت انگیز تقریر کی حوصلہ شکنی کے لیے مناسب اقدامات کرے اور مجرموں کے خلاف قانونی کارروائی کرے۔
- مذہبی اقلیتوں کے قانونی وآئینی حقوق کے تحفظ کے لیے قومی کونسل تشکیل دی جائے۔
- مذہبی اقلیتوں کی جائے عبادات کے تحفظ کے لیے خصوصی پولیس فورس تشکیل دی جائے۔
- مذہبی اقلیتوں کے لیے تمام شعبوں میں مخصوص کوٹہ کے نفاذ کے لیے وفاقی وصوبائی حکومتیں پالیسی ہدایات جاری کریں۔

مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی خلاف ورزی یا ان کی جائے عبادات کی بے حرمتی کے واقعات میں قانونی نافذ کرنے والی ایجنسیاں فوری کارروائی (بشمول فوجداری مقدمات کا اندراج) کریں۔

کیا فیصلے پر عملدرآمد ہوا ہے؟ سول سوسائٹی کے کارکنوں کا کہنا ہے کہ وفاقی وصوبائی حکومتوں نے فیصلے کی ہدایات پر عملدرآمد کے حوالے سے غیر تسلی بخش پیش رفت کی ہے حالانکہ 2018 میں فیصلے کے نفاذ کی نگرانی کے لیے یک رکنی شڈل کمیشن بھی قائم ہوا تھا۔ (ایچ آر سی پی کی طرف سے مفادِ عامہ کی پٹیشن دائر ہونے کے بعد)۔

انسانی حقوق کے دفاع کار کی حیثیت سے، ہم کیا مطالبات کر سکتے ہیں؟ ایک بنیادی مطالبہ، جس کی ایچ آر سی پی نے حمایت کی ہے، اقلیتوں کے لیے قانونی قومی کمیشن کا قیام ہے۔ یہ کام پارلیمان کے قانون کے ذریعے ہونا چاہیے۔ مثالی طور پر یہ ہونا چاہیے کہ یہ کمیشن مکمل طور پر پاکستان کی مذہبی اقلیتوں اور مسالک بشمول نظرانداز شدہ گروپس جیسے کہ بدھ مت، پارسی، بہائی کمیونٹیوں اور شیڈول ذاتوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔

کمیشن کے پاس ملک گیر اختیارات ہوں جن کا قواعد و ضوابط میں واضح تعین ہو تا کہ کمیشن مذہبی اقلیتوں کے خلاف امتیاز اور تشدد کے شواہد اکٹھا کر سکے اور ملک کے مساوی شہری کے طور پر مذہبی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے طریقہ کار وضع کر سکے۔

معاشی انصاف کے بغیر جمہوریت!

وقار مصطفیٰ

بجٹ کی آمد آمد ہے تو کیوں نہ ایک ایسی منصفانہ اور متوازن معیشت کے قیام کی پکار کی جائے جس میں کم از کم نہیں بلکہ ایک عام معیار زندگی کو برقرار رکھنے کیلئے کافی اجرت، اچھے حالاتِ کار، رہائش، تعلیم، صحت کی سہولیات، صاف ستھرا ماحول، خوراک اور سماجی تحفظ کے حقوق فراہم ہوں اور ہر ایک کو باوقار اور مفید زندگی گزارنے کا موقع ملے۔

پاکستان کے آئین میں تمام شہریوں کو ان تمام حقوق تک یکساں رسائی کی ضمانت دی گئی ہے جو معاشی انصاف کا خاصہ ہوتے ہیں۔ معاشی انصاف سبھی انسانی حقوق سے جڑا ہے اور یہ رنگ، نسل، مذہب، جنس، زبان، ثقافت، سماجی مقام، مالی حیثیت اور سیاسی خیالات کے فرق سے ماورا، ہر شہری کو آئینی طور پر ملنا لازم ہے۔ انسانی حقوق نہ تو ایک فرد کی بجائے کسی اور کو دیے جاسکتے ہیں اور نہ ہی انھیں کسی بھی وجہ سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ معاشی انصاف کے نہ ہونے سے، ووٹنگ بوتھ سے لے کر کمرہ عدالت تک زندگی کے ہر شعبے میں شہری اور جمہوری حقوق سمیت، تمام انسانی حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ بڑھتی موسمی آفات اور بیماریاں بتاتی ہیں کہ یہ ماحولیاتی عدم انصاف کا مظہر تو ہیں ہی، معاشی عدم انصاف کا بھی شاخسانہ ہیں۔ گویا معاشی انصاف ہی یکساں انسانی وقار کا ضامن اور معاشرے اور جنگل میں فرق کا اِشارہ ہے۔ تاہم پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے 2023ء کے جائزے کا خلاصہ ہے کہ یہ سال معاشی عدم انصاف سے عبارت رہا ہے۔

اس ماہ کی ابتدا میں جاری ہونے والی اپنی سالانہ رپورٹ 'پاکستان میں انسانی حقوق کی صورتِ حال 2023' میں، مختصراً ایچ آر سی پی کہلاتے کمیشن کا کہنا تھا کہ سال بھر 40 فیصد تک بڑھتی مہنگائی میں ترقی، تعلیم، طبی نگہداشت، سماجی تحفظ اور روزگار کے مواقع تک عام لوگوں کی رسائی محدود رہی۔

'خوراک کی قلت، مہنگائی، تنخواہوں میں تاخیر یا ان کی عدم ادائیگی، کم اجرت، بجلی اور ایندھن کے بے تحاشا بلوں، نوکریوں میں چھانٹی اور پنشن یا سروس رولز میں تبدیلی کے خلاف احتجاجی مظاہرے ہوتے رہے جن میں کسان، مزدور اور سرکاری ملازمین جیسے کلرک، اساتذہ، لیڈی ہیلتھ ورکرز اور پنشنرز شامل تھے۔ ان مظاہروں پر ریاست یا تو لاتعلق رہی یا تشدد کا راستہ لیا' پیشہ ورانہ سلامتی اور تحفظ اور صحت کی سہولیات نہ ہونے سے، 2023 میں حادثات میں تقریباً 87 کان کن ہلاک اور 74 زخمی ہوئے، کراچی میں کم از کم چار فائر مین ہلاک اور ان کے پانچ ساتھی زخمی ہوئے، سٹون کرشنگ انڈسٹری میں مزدوروں میں سیلیکوسس کے واقعات ہوئے، جب کہ کئی صفائی کارکن زہریلی گیسوں یا مین ہولز میں ڈوبنے سے ہلاک ہوئے۔

' افرادی قوت میں خواتین کی شرکت کی اوسط 23 فیصد رہی۔ غیر ہنر مند کارکنوں کیلئے کم از کم اجرت مقرر تو ہوئی مگر اس کا اطلاق کم کم ہی ہوا بلکہ زیادہ تر اداروں میں تو وہ اجرت بھی نہیں دی گئی جسکا اس سے پہلے اعلان کیا گیا تھا۔ زراعت، دیہی ترقی اور سیاحت میں کم سرمایہ کاری نے بے روزگاری کے بحران کو جنم دیا۔ بے روزگار اور یورپ میں بہتر مواقع کی تلاش میں نوجوان انسانی اسمگلروں کے استحصال اور غیر قانونی سفر کے دوران کئی حادثات میں موت کا شکار ہوئے۔ کئی مشتبہ اسمگلروں کو حراست میں لیا گیا۔ ملک بھر میں لاکھوں بچے چائلڈ لیبر کا شکار رہے۔ ایک نوعمر لڑکی رضوانہ بی بی پر گھریلو کام کے دوران میں تشدد بچوں کے استحصال کی ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ معاشی انصاف ہی امن کا ضامن اور سماجی انصاف اور جمہوری معاشرے کی بنیاد ہے۔ اسی تناظر میں کمیشن نے اپنی رپورٹ میں معاشی انصاف اور شہری حقوق کے فوری تحفظ پر زور دیا۔ لیکن بدعنوانی وسائل کی منصفانہ تقسیم کو متاثر کرتی ہے۔ کمزور اداروں اور غیر موثر قانونی نظام کے باعث طاقت ور افراد اور گروہ اپنے فائدے کیلئے نظام میں ہیرا پھیری کرتے ہیں۔ ایک چھوٹی اشرافیہ ملک کی دولت میں غیر متناسب حصہ رکھتی ہے۔ یہ تفاوت تعلیم، صحت اور روزگار کے مواقع تک غیر مساوی رسائی کی وجہ سے بڑھ جاتا ہے۔ معیشت کا ایک بڑا حصہ غیر رسمی شعبے میں کام کرتا ہے جہاں کارکنوں کو ملازمت، سوشل سیکورٹی اور منصفانہ اجرت کا تحفظ نہیں ہوتا۔ صنفی عدم مساوات معاشی ناانصافیوں کو بڑھاتی اور مجموعی اقتصادی ترقی میں رکاوٹ بنتی ہے۔ ان رکاوٹوں سے نمٹنے کیلئے جامع اصلاحات کی ضرورت ہے۔ ان میں اداروں کی مضبوطی، شفافیت اور جواب دہی، بنیادی ڈھانچے کی ترقی اور تعلیم اور صحت میں سرمایہ کاری، چھوٹے اور درمیانے درجے کے کاروباری اداروں کی مدد کرتے ہوئے جامع اقتصادی ترقی کا فروغ، اور پس ماندہ گروہوں کو بااختیار بنانا شامل ہیں۔ دولت کی منصفانہ تقسیم کیلئے ترقی پسند ٹیکس پالیسیوں اور تمام شہریوں کیلئے بنیادی معیار زندگی کو یقینی بناتی اجرت، سماجی تحفظ کے پروگرام، اور ٹارگٹڈ سبسڈی کا نفاذ کیا جائے۔ افرادی قوت میں خواتین کی شرکت میں حائل رکاوٹوں کو دور کر کے، قرض، جائیداد کے حقوق تک رسائی اور ان کی تعلیم اور طبی نگہداشت میں سرمایہ کاری سے انھیں بااختیار بنایا جائے۔ غیر رسمی معیشت کو باضابطہ بنانے اور سماجی تحفظ تک رسائی میں معاونت کی جائے۔ حکومت، سول سوسائٹی اور نجی شعبے کے مکالمے کو فروغ دیا جائے۔ اس سے معاشی ناانصافیاں دور کرنے اور جامع ترقی کی پالیسیاں بنانے اور ان پر عمل درآمد میں مدد ملے گی۔

پچھلے سال ماہرِ معیشت ڈاکٹر پرویز طاہر نے عاصمہ جہانگیر میموریل لیکچر میں کہا تھا کہ بجٹ کی سب سے پہلی ترجیح عوام کی ضروریات ہونی چاہئیں۔ ان کی تجاویز تھیں کہ وفاقی حکومت کا حجم کم کیا جائے، املاک کے ٹیکس کا اختیار مقامی حکومتوں کو دیا جائے اور بڑے مالکان کی آمدن کو ریگولر ٹیکس کے نظام میں لایا جائے۔ معاشی انصاف کا مطلب صرف آمدنی میں اضافہ نہیں بلکہ دولت اور قربانی کے بوجھ کی منصفانہ تقسیم ہے۔ یہ ایک مساوی اور خوش حال معاشرے کی تعمیر کی جانب اہم پیش رفت ہوگی۔ (بشکریہ روزنامہ جنگ)

پاکستان کے آئین میں تمام شہریوں کو ان تمام حقوق تک یکساں رسائی کی ضمانت دی گئی ہے جو معاشی انصاف کا خاصہ ہوتے ہیں۔ معاشی انصاف سبھی انسانی حقوق سے جڑا ہے اور یہ رنگ، نسل، مذہب، جنس، زبان، ثقافت، سماجی مقام، مالی حیثیت اور سیاسی خیالات کے فرق سے ماورا، ہر شہری کو آئینی طور پر ملنا لازم ہے۔ انسانی حقوق نہ تو ایک فرد کی بجائے کسی اور کو دیے جاسکتے ہیں اور نہ ہی انھیں کسی بھی وجہ سے ختم کیا جاسکتا ہے۔ معاشی انصاف کے نہ ہونے سے، ووٹنگ بوتھ سے لے کر کمرہ عدالت تک زندگی کے ہر شعبے میں شہری اور جمہوری حقوق سمیت، تمام انسانی حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ بڑھتی موسمی آفات اور بیماریاں بتاتی ہیں کہ یہ ماحولیاتی عدم انصاف کا مظہر تو ہیں ہی، معاشی عدم انصاف کا بھی شاخسانہ ہیں۔ گویا معاشی انصاف ہی یکساں انسانی وقار کا ضامن اور معاشرے اور جنگل میں فرق کا اِشارہ ہے۔

پاکستان: ظالمانہ بے دخلیوں کا نشانہ شہروں کی غریب آبادی بن رہی ہے

اقامت کاری، روزگار کے حقوق کے تحفظ کے لیے نوآبادیاتی دور کے قوانین اور پالیسیوں میں بہتری لائیں

- پاکستانی حکام سرکاری و نجی ترقیاتی منصوبوں کی راہ ہموار کرنے کی خاطر کم آمدنی والے لوگوں، دُکانداروں اور ریڑھی بانوں کو بے دخل کرنے کے لیے اکثر نوآبادیاتی دور کے قوانین استعمال کرتے ہیں۔
- بے دخلیاں معاشی وسماجی لحاظ سے سب سے زیادہ پسے ہوئے طبقوں کو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہیں جنہیں ازسرِ نو آباد کرنے یا ان کے نقصان کا ازالہ کرنے کا کوئی بندوبست موجود نہیں۔
- پاکستانی حکومت اپنے ملکی قوانین تبدیل کرے اور یقینی بنائے کہ بے دخلی کی وجہ سے کوئی فرد بے گھر نہ رہے، اور مناسب معاوضے اور نوآبادکاری کے انتظامات بھی کرے۔

(نیویارک، 28 مئی، 2024)۔ ہیومن رائٹس واچ نے آج جاری ہونے والی اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ پاکستانی حکام سرکاری و نجی ترقیاتی منصوبوں کی راہ ہموار کرنے کی خاطر کم آمدنی والے لوگوں، دُکانداروں اور ریڑھی بانوں کو بے دخل کرنے کے لیے اکثر نوآبادیاتی دور کے قوانین استعمال کرتے ہیں۔

48 صفحات پر مشتمل رپورٹ، "میں صرف اپنی زندگی بچا کر نکل سکی: پاکستان میں ظالمانہ جبری بے دخلیاں"، میں بڑے پیمانے پر ہونے والی ظالمانہ جبری بے دخلیوں کا ذکر ہے، جن سے پاکستان میں سب سے زیادہ متاثر وہ طبقے ہوتے ہیں جو معاشی وسماجی طور پر سب سے زیادہ پسے ہوئے ہیں۔ حکام نے ہزاروں لوگوں کے بنیادی حقوق کی پامالی کرتے ہوئے اُنہیں کسی قسم کی مشاورت، نوٹس، معاوضے، نوآبادکاری کی مدد، یا تلافی کے ذرائع فراہم کیے بغیر بے دخل کیا ہے۔

ایشیا میں ہیومن رائٹس واچ کے سینئر مشیر سروپ اعجاز نے کہا کہ "پاکستانی حکومت کو اپنے نوآبادیاتی دور کے قوانین میں بہتری لانے کی ضرورت ہے تاکہ انہیں منصفانہ و شفاف بنایا جا سکے اور پاکستان کی عالمی ذمہ داریوں کی مطابقت میں لایا جا سکے۔ حکام یقینی بنائیں کہ کوئی بھی شخص بے دخلی کے نتیجے میں بے گھر نہ رہے، بے دخل ہونے والوں کو اُن کی اراضی کا معاوضہ ملے، اور اُن کی نوآبادکاری کے انتظامات کیے جائیں۔"

ہیومن رائٹس واچ نے لاہور، اسلام آباد، اور کراچی میں جبری بے دخلیوں کا نشانہ بننے والے 36 لوگوں، نیز متاثرین کے حقوق کی وکالت کرنے والے وکلاء، اور شہری منصوبہ بندی کرنے والے ماہرین کے انٹرویوز کیے، عدالتی فیصلوں اور اس کے ساتھ ساتھ پاکستان میں زمینوں کے بندوبست کے نظام سے متعلق قوانین کا جائزہ لیا ہے۔

بڑے پیمانے پر ہونے والی بے دخلیوں کو قلمبند کیے گئے زیادہ تر واقعات میں، حکام مناسب مشاورت، نوٹس اور تلافی کا کوئی ذریعہ فراہم کرنے میں ناکام رہے۔ بے دخلی کے کئی واقعات میں، پولیس نے کرایہ داروں کو بے دخل کرنے کے لیے غیر ضروری یا حد سے زیادہ طاقت استعمال کی جس میں مار پیٹ، من مانی گرفتاریاں اور ذاتی املاک کی تباہی شامل تھی۔

حکومتیں مفادِ عامہ کے لیے اور دیگر غیر معمولی حالات میں اراضی پر قابض ہونے اور لوگوں کو اُن کی جائیداد سے بے دخل کرنے کا اختیار رکھتی ہیں۔

ترقیاتی منصوبوں کو عوام کے لیے انتہائی مفید قرار دینے کی سرکاری تشہیر سے متاثرین کو پہنچنے والے نقصانات میں کوئی کمی نہیں آئی جن سے بچا جا سکتا تھا نہ ہی اُن نقصانات کا ازالہ کرنے کے لیے سرکار کے عالمی قانونی فرائض کی پاسداری ہوئی ہے۔

بے دخل ہونے والے کئی لوگ اپنے گھروں سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ اکثر اپنے ذرائع آمدن اور اسکول اور صحت کی دیکھ بھال جیسی بنیادی سرکاری سہولتوں سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کے اقدامات ایسے لوگوں اور گھرانوں پر بوجھ میں شدید اضافہ کر کے معاشی ناہمواریاں بڑھاتے ہیں جن کی آمدنی کم ہوتی ہے اور جو اکثر لسانی اقلیتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

پاکستان کے حصولِ اراضی قانون 1894 نے ایک صدی سے زائد عرصہ بعد ملک میں سرکاری اراضی کے حصول کا طریقہ کار فراہم کیا۔ قانون پاکستانی حکام کو مبہم طریقے سے تعریف کردہ "مفادِ عامہ"، کے لیے اراضی حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اِس تعریف کی رُو سے سرکاری و نجی شراکت اور یہاں تک کہ منافع بخش کمپنیوں کے نجی منصوبے بھی "مفادِ عامہ"، تصور ہو سکتے ہیں۔ قانون اور اس کی بنیاد پر بننے والے دیگر قواعد حکومت کو یہ فیصلہ کرنے کا تقریباً مکمل اختیار دیتے ہیں کہ مفادِ عامہ کے دائرہ کار میں کیا کیا آتا ہے اور وہ لوگوں کو ان قواعد وضوابط سے متعلق برائے نام حفاظتی اقدامات جو کہ عالمی انسانی حقوق کے اصولوں کے برخلاف ہیں، کے ساتھ لوگوں کو بے دخل کر سکتے ہیں۔

سرکار اکثر دعویٰ کرتی ہے کہ سرکاری زمینوں یا ریاستی املاک پر "تجاوز" کرنے والے ڈھانچوں کو ہٹانا انتہائی ضروری اور جائز عمل ہے۔ تجاوزات کئی صوبائی و علاقائی قوانین کے تحت ایک جرم بھی ہے، اور سزا پانے والوں کو جرمانوں یا یہاں تک کہ قید کی سزا کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔

مگر ان کارروائیوں میں جبری بے دخل ہونے والوں کے انٹرویوز ظاہر کرتے ہیں کہ تجاوزات مخالف کارروائی کو بے دخلیوں کے لیے بطورِ جواز استعمال کرنے میں باقاعدگی اور منطق کا عنصر بہت کم ہے۔ مثال کے طور پر، بشیر حسین کا خاندان کراچی کی ایک مارکیٹ میں 70 برسوں سے دُکان چلا رہا ہے اور سرکاری میونسپل کارپوریشن کو کرایہ، نیز یوٹیلیٹی بل اور محصولات بروقت ادا کرتا ہے۔ مگر 2018 میں، حکام نے تجاوزات مخالف کارروائی کے نام پر حسین کے خاندان کی دُکان مسمار کر دی۔ اُنہوں نے کہا، "میری دُکان تجاوزات کیسے ہو سکتی ہے؟ "1950" کے عشرے سے ہم حکومت کو کرایہ دے رہے ہیں۔ کسی عمارت کو کتنا عرصہ درکار ہے اس چیز کے لیے کہ اسے تجاوزات نہ سمجھا جائے؟ میرے خاندان کی تین نسلوں نے یہ دُکان چلائی ہے۔"

حکومتیں مفادِ عامہ کے لیے اور دیگر غیر معمولی حالات میں اراضی پر قابض ہونے اور لوگوں کو اُن کی جائیداد سے بے دخل کرنے کا اختیار رکھتی ہیں۔ تاہم، یہ بے دخلیاں قانونی تب ہی ہو سکتی ہیں اگر یہ ملکی قانون اور انسانی حقوق کے عالمی قانون اور اصولوں کی مطابقت میں ہوں۔ عالمی قانون کے مطابق، " جبری بے دخلی"، افراد، گھرانوں، کمیونٹیوں کو اُن کے گھروں، کاروباری مقامات، یا اراضی سے اُن کی مرضی کے بغیر مستقل یا عارضی طور پر بے دخل کرنا ہے،" کسی قسم کے مناسب قانونی یا دیگر تحفظ کی فراہمی یا اُس تک رسائی کے بغیر۔"

ہیومن رائٹس واچ کو معلوم ہوا ہے کہ حکام لوگوں کے

اراضی حقوق کے بارے میں پہلے سے جانچ پڑتال کرنے میں اکثر ناکام رہتے ہیں اور اگر معاوضہ دیتے بھی ہیں تو بہت کم دیتے ہیں۔ بعض واقعات میں، پولیس مزاحمت کرنے والوں کو کسی قانونی جواز کے بغیر گرفتار اور اُن کے خلاف مقدمے درج کرتی ہے۔ ظالمانہ سلوک کی حوصلہ افزائی کرنے والے دیگر عوامل میں اراضی کے حصول میں بدعنوانی؛ ظالمانہ بے دخلیوں میں ملوث پولیس اہلکاروں کو استثنیٰ؛ اور اراضی کے اندراج کے ناقص طریقہ کار ہیں جن کی وجہ سے جبری بے دخلیوں کے متاثرین کے لیے ملکیت ثابت کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

ایچ آر ڈبلیو نے کہا ہے کہ کچھ پاکستانی حکام نے مسئلے پر قابو پانے کی کوشش کی ہے؛ جنوری 2023 میں سندھ کی صوبائی حکومت نے سندھ نو آبادکاری و بحالی نو پالیسی 2022 منظور کی جو کہ پاکستان میں اس طرز کی پہلی پالیسی ہے۔ تاہم، حقیقی امتحان تو اس پر عملدرآمد یقینی بنانا ہے۔

مسٹر اعجاز کا کہنا تھا، "پاکستانی حکومت کو یقینی بنانا چاہیے کہ عوام کے فائدے کے لیے لائے گئے منصوبے لاگو کرتے وقت قانون کی مکمل پاسداری ہو"۔ "کسی قسم کی ضروری نو آبادکاریوں کی منصوبہ بندی اور اُن پر عملدرآمد قانون کی روشنی میں اور اس قسم کے طریقہ کار کے مطابق ہو جس سے لوگوں کے اقامت کاری، روزگار اور حفاظت کے حقوق محفوظ رہیں۔"

منتخب کردہ بیانات:

ناصرہ بی بی، ایک گھریلو ملازمہ، کو 2021 میں اسلام آباد کے مضافات میں اُن کے گھر سے بے دخل کیا گیا۔ وہ بیوہ ہیں اور اپنے تین بچوں، عمر 8، 10، 11 سال کے ساتھ رہتی ہیں۔ اُن کا کہنا تھا:

میرے بچے سرکاری اسکول جاتے تھے جہاں اُن سے فیس نہیں لی جاتی تھی، مگر مجھے اسکول کی کتابوں، کاغذ قلم، اسکول کی وردی اور بیگ کے اخراجات برداشت کرنے پڑتے تھے۔ ہمارا گھر گرایا گیا تو اسکول کا تمام مواد ضائع ہو گیا کیونکہ وہ سب کچھ ملبے تلے دب گیا تھا۔ مجھے لاہور میں اپنی بہن کے گھر منتقل ہونا پڑا، اور ہفتوں کی منتوں اور التجاؤں کے بعد اُس علاقے کے اسکول نے میرے بچے داخل کیے۔ تاہم، ہمارے پاس اسکول کا ساز و سامان نہیں تھا اور نہ ہی خریدنے کے لیے پیسے تھے۔ اسکول کا ساز و سامان خریدنے کی خاطر رقم ذخیرہ کرنے کے لیے مزید کئی ہفتے گزر گئے جس کے نتیجے میں میرے بچوں کے سالانہ امتحان کے داخلے کی حتمی تاریخ گزر گئی اور یوں اُن کا ایک سال ضائع ہو گیا۔

اپریل 2021 میں کالج کی طالبہ 21 سالہ ماریہ یعقوب نے دیکھا کہ کراچی میں گجر نالہ کے قریب اُس کا گھر گرایا جانے لگا ہے۔ گھر کے باہر بلڈوزر موجود تھے، اُنہوں نے سرکاری اہلکاروں سے کچھ وقت مانگا تاکہ وہ اندر جا کر اپنے مرحوم والدین کی تصویریں اُٹھا سکے۔ اُنہیں جلدی کرنے کا کہا گیا۔ گھر کا دیگر سامان اور اپنی کتابیں اکٹھا کرنے کے لیے وقت نہیں تھا۔ وہ اندر دیوار سے تصویر اتار رہی تھیں کہ اُنہیں بلڈوزر چلنے کی آواز سنائی دی۔ بہت بڑے زرد مشینی جبڑے نے دیوار کو ضرب لگا کر فوراً گرا دیا۔ ماریہ نے کہا:

مجھے چیخ و پکار (باہر سے) سنائی دی۔ تصویر کا فریم میرے ہاتھوں سے پھسل کر گر گیا۔ میں باہر کی بھاگی اور صرف اپنی زندگی بچا سکی۔۔۔۔ اور کچھ بھی نہ بچا سکی۔

محمد انصر نویں جماعت کا طالب علم تھا جب 2016 میں لاہور میں اُن کا گھر مسمار کیا گیا اور خاندان کو کہیں منتقل ہونے پر مجبور کیا گیا۔ اُن کا کہنا تھا میں ایک مقامی حکومت کے اسکول میں ایک ریگولر طالب علم کے طور پر زیر تعلیم تھا۔ ریلوے لائن کی تعمیر کے وقت ہمیں کہیں اور منتقل ہونے کو کہا گیا مگر ہمارے پاس لاہور میں رہنے کے لیے وسائل نہیں تھے جس پر مَیں ضلع شیخو پورہ (قریبی ضلع) چلے گئے۔ اگلے کئی مہینوں تک ہمارے پاس کوئی ذریعہ آمدن نہیں تھا کیونکہ میرے والد کی دُکان گرا دی گئی تھی۔ میرا والد، میرا بھائی اور مَیں دہاڑی دار مزدور کے طور پر کام کرتے تھے، اور اب مَیں نے کسی اسکول میں داخل نہیں تھا۔ تب، مجھے ایک فیکٹری میں ملازمت مل گئی اور میری زندگی سے تعلیم کا باب بند ہو گیا۔ یہاں تک کہ اب بھی مَیں کبھی کبھی وہ وقت یاد کرتا ہوں۔

2020 میں کراچی میں بے دخل ہونے والی 46 سالہ عورت کا کہنا تھا:

میری والدہ بیمار ہیں۔ مجھے آدھی رات کے وقت اُنہیں اسپتال لے جانا پڑتا ہے۔ عام طور پر مَیں رکشہ (موٹر سائیکل ٹیکسی) لے کر فوری طور پر اُنہیں وہاں لے جا سکتی ہوں۔ اس وقت، ہم شہر کے وسط میں مقیم ہیں۔ اگر ہم دور دراز علاقے میں ہوں تو مَیں اپنی والدہ کو اسپتال کیسے پہنچاؤں گی؟

37 سالہ شبیر ایک کاشتکار ہیں جن کی کچھ ایکڑ اراضی 2022 میں ایک انفراسٹرکچر اور ہاؤسنگ منصوبے کے لیے مختص کی گئی۔ اُن کا کہنا ہے:

ہمیں اپنے گھروں، اپنی زمینوں سے بے دخل کرنے کے علاوہ اصل معاوضہ بھی نہیں دیا جا رہا۔ حکومت معاوضے کی رقم کے بدلے اراضی کے بہت پرانے نرخ لگا رہی ہے۔ میرے کھیت کی اصل قدر نہ صرف زمین ہے بلکہ فصلوں کی قیمت بھی ہے جو اس میں اُگتی ہیں اور میرے اہلِ خانہ کے لیے آمدنی کا ذریعہ ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ہیومن رائٹس واچ)

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

مدد چاہتی ہے یہ حوا کی بیٹی

خوف کے سائے تلے پلتی نوجوان نسل

طاہرہ حبیب

ساحرہ سے میری پہلی ملاقات آج سے سات برس پہلے ہوئی تھی جب اس نے اپنے والد کی محکماتی ٹرانسفر کے باعث حب شہر کے سکول میں داخلہ لیا تھا۔ ہم دونوں جماعت ہشتم میں پڑھتی تھیں۔ بہت جلد ہی ہماری دوستی ہوگئی اور سکول کے بعد کالج میں بھی ہمارا ساتھ رہا۔ ساحرہ کو بھی میری طرح مطالعہ اور تقریری مقابلوں میں حصہ لینے کا شوق تھا۔ ہم دونوں مباحثوں اور مذاکروں میں شرکت کے لیے شہر سے باہر بھی جاتے تھے۔ اگر ساحرہ کسی موضوع کی موافقت میں تقریر کرتی تو میں موضوع کی مخالفت میں اپنی دلیلیں پیش کرتی۔ چند مقابلوں میں حصہ لینے اور کامیابی حاصل کرنے کے بعد ہم ایک ٹیم کے طور پر پہچانے جانے لگے اور کامیابیوں کا یہ سفر سکول کے بعد کالج کے دور میں بھی جاری رہا۔ ساحرہ کی والدہ ایک ان پڑھ لیکن روشن خیال خاتون ہیں۔ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو اسلام کی تعلیم گھر پر دی لیکن سکول اور کالج کی پڑھائی میں بھی ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ طالب علمی کا یہ سفر کامیابی سے گزرتا رہا اور ہماری دوستی بھی پختہ سے پختہ تر ہوتی گئی۔ ساحرہ نے مجھے بتایا کہ اس کے ہمسائے میں رہنے والے کئی بلوچ خاندان ایک کمیونٹی کی شکل اختیار کر چکے ہیں اور ان کے ہاں چھٹی کے دن کوئی نہ کوئی تقریب ضرور ہوتی ہے۔ جب ہم کالج میں تھے تو ساحرہ نے بتایا کہ اس کے والدین کے دوستوں میں سے ایک فیملی کا لڑکا عاقب جو اپنی پڑھائی مکمل کر چکا ہے اور برسرِ روزگار ہے، اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ اپنی پڑھائی مکمل کرنے کے بعد ہی شادی کا ارادہ رکھتی ہے اس نے عاقب کو اپنے گھر رشتہ بھیجنے سے منع کر دیا ہے۔ وقت تو بہت تیزی سے گزرتا ہے۔ ایک دن جب ہم سب سہیلیاں بی اے کے امتحانات سے فراغت کی خوشی میں اکٹھے ہوئے تھے ساحرہ نے مجھ سے مشورہ مانگا کہ کیا وہ اب عاقب کو اپنے گھر رشتہ بھیجنے کی اجازت دے دے۔ گزشتہ چند سالوں میں وہ بھی عاقب کو پسند کرنے لگی تھی اور اس کی خوش اخلاقی، جاذبِ نظر شخصیت اور سب سے بڑھ کر اس کی مستقل مزاجی کی گرویدہ ہو چکی تھی۔ چونکہ ساحرہ کے والدین بھی اس کے رشتے دیکھ رہے تھے، میں نے اُسے مشورہ دیا کہ اب عاقب کو دیر نہیں کرنی چاہیے۔ ساحرہ کی طرف سے گرین سگنل ملتے ہی عاقب نے اپنے والدین کو باقاعدہ رشتہ مانگنے کے لیے اُس کے گھر بھیج دیا۔ اسی دوران ساحرہ نے اپنی والدہ کو بتا دیا کہ وہ عاقب کو تہ دل سے چاہتی ہے اور اُسی سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ عاقب نے شادی کے بعد اُسے یونیورسٹی میں داخلہ دلوانے کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ ہم سب ساحرہ کے والدین کے جواب کا بہت بے تابی سے انتظار کر رہے تھے۔ لیکن انہوں نے فیصلہ سنانے سے پہلے گاؤں جانے کا پروگرام بنا لیا اور عاقب کے والدین کو بتایا کہ والد پہلے اپنے بزرگوں سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔ ساحرہ کو گاؤں لے جا کر خاندان کی سطح پر جرگا بیٹھا جس نے یہ فیصلہ سنایا کہ اگر ہماری بیٹیاں پڑھائی کے نام پر مادر پدر آزادی مانگیں اور بے شرمی سے اپنی پسند سے شادی کی خواہش کا اعلان کریں گی تو خاندانی روایات ملیامیٹ ہو جائیں گی۔ ساحرہ کا مجھے ملنے والا آخری پیغام یہ تھا کہ "یہاں میں اپنے ہی گھر میں پابند سلاسل ہوں اور مجھے نہیں معلوم میری قسمت کا کیا فیصلہ ہوگا۔ لیکن تم میری گواہ رہنا۔ میں نے سوائے اپنی خواہش کے اظہار کے کچھ بھی ایسا نہیں کیا جو بلوچ روایات، اسلام یا خاندانی وقار کے منافی ہو"۔ میں نے اپنے والدین سے التجا کی کہ ہمیں ساحرہ کے گاؤں جانا چاہیے تاکہ غلط فہمیوں کو دور کیا جا سکے۔ میرے والدین خوفزدہ تھے کہ ساحرہ کے والدین اسے اپنے خاندانی معاملات میں دخل اندازی نہ سمجھ بیٹھیں۔ اسی لیت و لعل میں دو دن گزر گئے اور گاؤں سے یہ اطلاع آ گئی کہ ساحرہ کے بڑے چچا نے اُسے نشانِ عبرت بنانے کے لیے گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے۔ اس قتل کے کئی گواہ موجود تھے لیکن کسی نے صدائے حق بلند نہیں کی اور شام سے پہلے بدنصیب ساحرہ کی تدفین کر دی گئی۔ اس کے بے رحمانہ قتل کے فوراً بعد عاقب کے خلاف ایف آئی آر لکھوا دی گئی کہ اس نے ساحرہ پر گولی چلائی اور اسے قتل کر دیا۔ عاقب تو اُس دن کوئٹہ میں تھا۔ حراست میں لیے جانے کے خوف سے وہ روپوش ہو گیا اور آج تک اس کا سراغ نہیں ملا۔ پاکستان میں ہم مسلمان ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن جب عورت اسلام کے دیے ہوئے حقوق کا استعمال کرنا چاہے تو علاقائی اور خاندانی روایات حاوی ہو جاتی ہیں اور عورت کو کاروکاری کا شکار کر دیا جاتا ہے۔ سارا معاشرہ ایسے سانحوں کو ایک خاموش تماشائی کی طرح دیکھتا ہے اور زبان بندی کی روایت پر قائم رہتا ہے۔ عورت کو نہ صرف خاندان سے کوئی مدد نہیں ملتی بلکہ کمیونٹی بھی ایسے سانحوں کو جرم کہنے سے گھبراتی ہے۔ لاتعداد قانون جو عورت کے وقار، عزت اور زندگی کی پاسداری کی ضمانت دیتے ہیں، قانون کی کتابوں میں دبے رہ جاتے ہیں۔ قانون قائم کرنے والے ادارے حقیقتِ حال معلوم ہونے کے باوجود مرد بنیاد معاشرے کے ان جرائم پر پردہ ڈالتے ہیں۔ ماؤں بہنوں کو خاموش کروا دیا جاتا ہے اور انہیں بھی "ویسے ہی انجام" کی دھمکی دی جاتی ہے۔ لیکن ظلم اور بے رحمی کی یہ کتھا کب تک یونہی جاری رہے گی؟ ساحرہ کے جس چچا نے اس پر گولی چلائی تھی اس کی بہادری کو سلام پیش کرنے کے لیے علی الاعلان ایک ٹک ٹاک بنائی گئی اور سوشل میڈیا پر چلائی گئی۔ خاندان کے نوجوانوں نے بڑھ چڑھ کر کہا کہ چچا ہمیں تم پر فخر ہے۔ ایک معصوم کی جان لینے پر فخر کرنے والا بیمار معاشرہ کس سمت میں جا رہا ہے۔ ہم اپنی نوجوان نسل کو اشتعال کے ان مظاہر سے در پردہ کیا پیغام دے رہے ہیں۔ کاروکاری کے یہ واقعات حب میں ہی نہیں بلکہ پورے پاکستان سے رپورٹ ہوتے ہیں۔ اگر ریاست ان واقعات میں مدعی بن کر چند اچھی مثالیں قائم کرے تو معاشرے میں ایک مؤثر پیغام جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا کرنا شاید ریاست کی ترجیحات میں شامل ہی نہیں۔ لیکن کیا ہم مایوس ہو کر بیٹھ جائیں گے، قطعاً نہیں۔

- ہمیں معاشرے میں اچھی روایات قائم کرنے اور ان فرسودہ روایات کو ختم کرنے کے لیے ایک لائحہ عمل کی ضرورت ہے۔
- انسانی حقوق کی تنظیموں، عورتوں کے حقوق کے گروپوں، اساتذہ اور میڈیا کو بالغ افراد کے اپنی مرضی سے شادی کرنے کے حق کی حمایت میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے مسلسل تحریک چلانے کی ضرورت ہے۔
- عورتوں کے خلاف استعمال ہونے والی روایات، ہتھکنڈوں کے خاتمے میں ریاست کو سرپرستی کرنی چاہیے۔
- سیاہ کاری کے مجرموں کی جرم کے مطابق سزا کو یقینی بنایا جائے۔
- ریاست ان جرائم میں مدعی بنے اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچا کر مثال قائم کرے۔
- اس گھناؤنے جرم کے لیے علیحدہ عدلیہ یا کم از کم علیحدہ طریقہ کار وضع کیا جائے جو جلد از جلد انصاف کو یقینی بنائے۔
- جرگہ سسٹم کو عملی طور پر ختم کیا جائے۔
- نظامِ انصاف کو معاشرے کے مظلوم طبقوں کے لیے بھی باآسانی قابلِ رسائی بنایا جائے۔
- ریاست ہر سیاہ کاری کے مقدمے میں انصاف کی فراہمی اور ابلاغِ عامہ کے ذریعے اس کی تشہیر کو لازمی قرار دے۔
- نصابی کتب بالغ لوگوں کو پسند کی شادی کے حق کو مناسب سطح پر شامل کریں۔

'مندرجہ بالا حقائق مقتولہ کے عزیز و اقارب سے مصدقہ ہیں'

گندم کی خرید سے متعلق حکومتِ پنجاب کی پالیسی کے خلاف کسانوں کا احتجاج

ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ (مئی 2024)



آل پاکستان کسان اتحاد کے نمائندوں سے ایچ ارسی پی کے مشن کی ملاقات

تعارف

29 اپریل 2024 کو پنجاب بھر سے کسان مال روڈ، لاہور پر واقع جی پی او چوک پر جمع ہوئے۔ ان کے اجتماع کا مقصد صوبائی حکومت کی جانب سے گندم کی خریداری کی پالیسی پر عملدرآمد میں ناکامی کے خلاف احتجاج کرنا تھا، جس کے تحت وہ عام طور پر مقامی کسانوں کی پیدا کردہ گندم کی ایک خاص مقدار خریدتی ہے تاکہ گندم کی قیمت میں توازن برقرار رہ سکے اور ناجائز ذخیرہ اندوزی کی روک تھام ہو سکے۔ ریاست نے ردِعمل میں احتجاج کرنے والے کسانوں پر لاٹھی چارج اور پرامن مظاہرین کو گرفتار کیا جس سے کشیدگی میں اضافہ ہوا اور کسانوں میں ناانصافی کا احساس بڑھا۔ پولیس نے احتجاج سے قبل پنجاب بھر کے مختلف قصبوں اور شہروں میں چھاپے بھی مارے تھے، جس میں انہوں نے مختلف کسانوں، کسان انجمنوں کے ضلعی سطح کے رہنماؤں سمیت کم از کم 200 افراد کو گرفتار کیا تھا۔

کسانوں کے احتجاج کا مقصد حکومت کی غفلت پر اپنی مایوسی کا اظہار کرنا تھا۔ 2023 میں، نگراں وفاقی حکومت نے کسانوں کو گندم کی کاشت کرنے کی ترغیب دی تھی تاکہ فصل کی کمی کو پورا کیا جا سکے جس کا سامنا 2022/23 میں کرنا پڑا تھا۔ شدید مہنگائی اور خوراک کی کمی نے عام لوگوں کو مایوسی کے دہانے پر پہنچا دیا تھا، اس حد تک کہ مارچ 2023 میں وفاقی حکومت کی طرف سے مفت آٹا فراہم کرنے کے لیے قائم کیے گئے ڈسٹری بیوشن مقامات پر بھگدڑ مچ گئی تھی۔ یہ بالکل واضح ہو گیا تھا کہ پاکستان کو گھریلو گندم کی سپلائی بڑھانے کی اشد ضرورت ہے۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کسانوں نے 2023 میں بڑے پیمانے پر فصل کاشت کی۔

تاہم، گندم کے لیے حکومت کی طرف سے اعلان کردہ خریداری کی قیمتوں پر عمل درآمد نہ ہونے کے ساتھ ساتھ تصدیق شدہ باردانہ کی عدم دستیابی کی وجہ سے کسان پاکستان ایگریکلچرل سٹوریج اینڈ سروسز کارپوریشن لمیٹڈ (پاسکو) اور محکمہ خوراک پنجاب کو مؤثر طور پر بروقت گندم فروخت نہ کر سکے اور یوں گندم کی پیداوار پر آنے والے اخراجات کو پورا کرنے سے قاصر رہے — وہ اخراجات جو جاری معاشی بحران کے باعث پہلے ہی بہت زیادہ ہو گئے تھے۔ مارچ میں فصل کی کٹائی کے وقت سے قبل کسانوں کو معلوم ہوا کہ وفاقی حکومت پہلے ہی 35 لاکھ ٹن گندم درآمد کر چکی ہے، جس سے ان کی محنت کو نقصان پہنچا اور گندم کی بہتات کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ دوسرے لفظوں میں، کسان منتظر تھے کہ صوبائی حکومت خریداری کی قیمت مقرر کر کے خریداری شروع کرے مگر مؤخر الذکر نے اعلان کیا کہ وہ صرف محدود مقدار میں خریداری کرے گی یا یہاں تک کہ سرے سے گندم خریدے گی ہی نہیں۔ اس نے صوبے کے کسانوں میں غم و غصے کو جنم دیا، انہیں عملی طور پر متحرک ہونے پر مجبور کیا اور نتیجے میں وہ اپریل میں احتجاج کرنے پر مجبور ہوئے۔

گندم کی خریداری کی 'غیر منصفانہ' پالیسی کے خلاف احتجاج کرنے والے کسانوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کی اطلاعات کو مدنظر رکھتے ہوئے، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے اس معاملے کی تحقیقات کے لیے 30 اپریل 2024 کو فیکٹ فائنڈنگ مشن بھیجنا ضروری سمجھا۔ مشن میں راجہ اشرف (وائس چیئر، ایچ آر سی پی پنجاب)، عمران گبول (صحافی) اور اسٹاف ممبران عائشہ ایوب اور علی حیدر شامل تھے۔

گندم کی خریداری کی 'غیر منصفانہ' پالیسی کے خلاف احتجاج کرنے والے کسانوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کی اطلاعات کو مدِنظر رکھتے ہوئے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے اس معاملے کی تحقیقات کے لیے 30 اپریل 2024 کو فیکٹ فائنڈنگ مشن بھیجنا ضروری سمجھا۔ مشن میں راجہ اشرف (وائس چیئر، ایچ آر سی پی پنجاب)، عمران گبول (صحافی) اور اسٹاف ممبران عائشہ ایوب اور علی حیدر شامل تھے۔ مشن نے کسانوں، محکمہ خوراک پنجاب اور پاسکو کے نمائندوں کے ساتھ ساتھ کسانوں کے مطالبات کی حمایت کرنے والے سیاستدانوں سے ملاقات کرنے کا منصوبہ بنایا۔

مشن کے اہداف

- سماجی و معاشی عوامل کا جائزہ لینا جن کی وجہ سے کسان احتجاج کرنے پر مجبور ہوئے۔ کسانوں کے بنیادی مطالبات اور مسائل کا جائزہ لینا۔
- پنجاب حکومت کی گندم خریداری کی نئی پالیسی کے اسباب کا جائزہ لینا۔

فیکٹ فائنڈنگ مشق

کسانوں کی انجمنوں کے متعلق

کسانوں کی مختلف انجمنوں کے نمائندوں کے ساتھ انٹرویوز کے دوران، فیکٹ فائنڈنگ ٹیم کو معلوم ہوا کہ پنجاب حکومت کی گندم کی خریداری کی پالیسی سے متاثرہ کسان سیاسی اور جغرافیائی بنیادوں پر تقسیم ہیں۔ کسان اتحاد کے نام سے جنوبی پنجاب کے ایک دھڑے کی قیادت کرنے والے خالد

محمود کھوکھر نے دعویٰ کیا کہ 2011 میں اس نام سے کسانوں کی یونین قائم کرنے والے سب سے پہلے وہ تھے اور بعد میں تین سیاسی جماعتوں نے اس نام سے اپنے کسانوں کے ونگز رجسٹرڈ کرائے تھے۔ دوسری جانب دوسرے دھڑے آل پاکستان کسان اتحاد کی نمائندگی کرنے والے رانا محمد ظفر طاہر نے وسطی پنجاب سے کسانوں کی مرکزی تنظیم کی نمائندگی کا دعویٰ کیا۔ دونوں گروپ اپنے اپنے احتجاج کا انتظام کر رہے ہیں اور اپنے مطالبات سامنے لانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ تاہم، دونوں دھڑوں کے ساتھ بات چیت سے دونوں کے درمیان نظریاتی رسہ کشی واضح طور پر نظر آئی: وہ صرف اس بات پر متفق تھے کہ وفاقی حکومت کے گندم کی درآمد کے فیصلے کے تباہ کن مضمرات ہوں گے اور یہ کہ صوبائی حکومت کی جانب سے گندم خریدنے سے انکار چھوٹے کسانوں کے ذرائع معاش اور مجموعی طور پر فصلوں کے دَور کو بری طرح متاثر کرے گا۔

آل پاکستان کسان اتحاد کے نمائندوں کے ساتھ ملاقات

مشن نے آل پاکستان کسان اتحاد کے مرکزی سیکرٹری جنرل رانا محمد ظفر طاہر اور صدر ظفر عباس لک سے پاسکو ہیڈ آفس لاہور میں 2 مئی کو ملاقات کی جہاں یہ نمائندے اور پنجاب بھر سے دیگر کسان باردانہ کی فوری فراہمی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ طاہر صاحب نے مشن کو بتایا کہ کسانوں کو گندم کاشت کرنے کی ترغیب دینے کے باوجود وفاقی حکومت نے 35 لاکھ ٹن گندم درآمد کی ہے جبکہ ملک میں کسانوں کی کاشت شدہ گندم کا اب 47 لاکھ ٹن کا ذخیرہ موجود ہے۔ صوبائی حکومت اب ذخیرہ شدہ فصل کو 3,900 روپے فی 40 کلوگرام کی اعلان کردہ شرح پر خریدنے سے انکار کر رہی ہے۔ اس کے برعکس حکومت نے خریداری کو صرف 22 لاکھ ٹن تک محدود رکھا ہے۔ پیدا ہونے والی اضافی فصل اب خریداری اور ذخیرہ اندوزی کا مناسب بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے گلنے سڑنے کے خطرے سے دوچار ہے جس سے کسانوں کو بھاری نقصان اٹھانا پڑے گا۔

29 اپریل کے احتجاج کے بارے میں پوچھے جانے پر طاہر صاحب نے مشن کو بتایا کہ کسانوں نے پہلے ٹھوکر نیاز بیگ کے راستے لاہور آنے کا منصوبہ بنایا تھا لیکن ان کے چند ساتھیوں نے ضلعی انتظامیہ کے ساتھ اتفاق سے طے پانے والا راستہ اختیار کرنے کی بجائے مختلف راستوں سے داتا دربار پر جمع ہونے کا فیصلہ کیا اور پھر وہاں جی پی او کی طرف مارچ شروع کیا۔ اس کے جواب میں، کسی بھی عوامی اجتماع کو روکنے کے لیے ضابطہ فوجداری کی دفعہ 144 نافذ کی گئی جس سے پولیس کو 'غیر قانونی' اجتماع کے خلاف کارروائی کرنے اور کسانوں کو گرفتار کرنے کا اختیار مل گیا۔ اگرچہ ان کسانوں کو بعد میں پولیس کی حراست سے رہا کر دیا گیا تھا، لیکن طاہر صاحب نے اس ردِعمل کو پرامن کسانوں کے خلاف ایک 'غیر منصفانہ کارروائی' قرار دیا جو محض اپنے معاشی حقوق کا مطالبہ کر رہے تھے۔ طاہر صاحب کے مطابق

مشن نے آل پاکستان کسان اتحاد کے مرکزی سیکرٹری جنرل رانا محمد ظفر طاہر اور صدر ظفر عباس لک سے پاسکو ہیڈ آفس لاہور میں 2 مئی کو ملاقات کی جہاں یہ نمائندے اور پنجاب بھر سے دیگر کسان باردانہ کی فوری فراہمی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ طاہر صاحب نے مشن کو بتایا کہ کسانوں کو کاشت کرنے کی ترغیب دینے کے باوجود وفاقی حکومت نے 3.5 ملین ٹن گندم درآمد کی ہے جبکہ ملک میں کسانوں کی کاشت شدہ گندم کا اب 4.7 ملین ٹن کا ذخیرہ موجود ہے۔ صوبائی حکومت اب اس بہت زیادہ ذخیرہ شدہ فصل کو 3,900 روپے فی 40 کلوگرام کی اعلان کردہ شرح پر خریدنے سے انکار کر رہی ہے۔ اس کے برعکس حکومت خریداری کو صرف 2.2 ملین ٹن تک محدود رکھا ہے۔

پنجاب بھر سے تقریباً 4000 کسانوں نے مال روڈ پر احتجاج کیا۔ اس سے قبل، پولیس نے چھاپے مار کر ان کے ضلع اور تحصیل سطح کی قیادت کے کم از کم 200 ارکان کو گرفتار کیا تھا۔ احتجاج ختم ہونے کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا۔ تاہم، طاہر صاحب نے کہا کہ اگر ان کی شکایات نہ سنی گئیں تو وہ بڑے پیمانے پر ایک اور احتجاج کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

لک صاحب نے محکمہ خوراک پنجاب اور پاسکو کے ضلعی افسران پر باردانہ جاری کرنے کے لیے رشوت لینے کا الزام لگایا۔ مزید برآں، انہوں نے وفاق اور پنجاب کی نگران حکومتوں پر بدعنوانی کا الزام عائد کرتے ہوئے، نگران وزیر اعظم انوار الحق کاکڑ اور نگران وزیر اعلیٰ محسن نقوی کو گندم کی درآمد کے فیصلے کے اصل مجرم قرار دیا اور کہا کہ اس فیصلے سے مقامی طور پر پیدا ہونے والے اناج کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ انہوں نے موجودہ پنجاب حکومت کی غفلت کی طرف بھی اشارہ کیا اور کہا کہ کسانوں کی تنظیم نے دادرسی کے لیے سپریم کورٹ میں پٹیشن دائر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

مقامی طور پر پیدا ہونے والی اضافی گندم کو ذخیرہ کرنے کے بارے میں، طاہر صاحب کی رائے تھی کہ فصل کو مرغیوں کی خوراک کے طور پر استعمال کرنا ایک قابل عمل متبادل ہے جیسا کہ اس سے قبل 2018 میں کیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کسانوں سے 3,900 روپے کی قیمت پر گندم خریدے اور گندم کو جانوروں کے چارے کے طور پر استعمال کرنے کے لیے پولٹری ایسوسی ایشن کے ساتھ معاملات طے کرے۔ سویا بین اور کینولا، جو عام طور پر جانوروں کی خوراک کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، گندم کے مقابلے میں زیادہ مہنگے ہوتے ہیں، جنہیں بتدریج فیڈ فارمولیشنز میں شامل کیا جا سکتا ہے، اور پورے موسم میں اس کا استعمال بڑھایا جا سکتا ہے۔

انہوں نے مزید دعویٰ کیا کہ پنجاب حکومت نے کسی چھوٹے کاشتکار کو باردانہ جاری نہیں کیا بلکہ یہ تھیلے چھ ایکڑ اور اس سے کم زرعی اراضی کے مالکان کو دینے کا اعلان کرنے کے بعد تاجروں اور گندم فروش بیوپاریوں کو دیے جا رہے ہیں۔ مزید برآں، پنجاب کے وزیرِ خوراک بلال یاسین نے اعلان کیا تھا کہ حکومت درخواستوں کی چھان بین کرے گی کہ آیا واقعی چھ ایکڑ پر گندم کاشت کی گئی ہے۔ کسانوں کے نمائندوں نے ردعمل میں یہ کہا کہ جن کے پاس چھ ایکڑ اراضی ہے وہ عام طور پر اپنی گندم حکومت کو فروخت نہیں کرتے۔

طاہر صاحب نے مشن کو بتایا کہ حکومت نے 18 لاکھ ٹن گندم خریدنے کے ارادے کا اعلان کیا تھا اور ان کے مطالبے پر اس مقدار میں 400,000 ٹن اضافہ کیا گیا تھا۔ لک صاحب کا خیال تھا کہ گندم اگر مناسب طریقے سے ذخیرہ کی جائے تو مقامی طور پر پیدا ہونے والی گندم کے ذریعے پاکستان کی روزانہ کی 100,000 ٹن گندم کی کھپت کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

کسان اتحاد کے رہنما خالد محمود کھوکھر سے بذریعہ ٹیلی فون گفتگو

اس کے بعد مشن نے کسان اتحاد کے صدر خالد محمود کھوکھر سے ٹیلی فون پر بات کی۔ کھوکھر صاحب نے یہ بھی کہا کہ 45 لاکھ ٹن کے مناسب ذخیرہ کے باوجود، وفاقی حکومت نے 3,577,000 ٹن گندم درآمد کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس فیصلے کی وجہ گندم کی بین الاقوامی قیمتوں میں تاریخی گراوٹ ہے۔

انہوں نے مزید دعویٰ کیا کہ انہوں نے وزیر اعظم کو ایک خط لکھا ہے جس میں انہوں نے گندم کی 'غیر قانونی' درآمد کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ زرعی بحران پاکستان کی پوری معیشت کو متاثر کرے گا کیونکہ جب کسان اپنی فصلیں بیچتے ہیں تو وہ اپنی آمدنی دوسری منڈیوں سے اشیاء خریدنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ایک کسان کی اوسط گھریلو آمدنی، جو کہ فصلوں کے سالانہ سلسلے پر منحصر ہے، اس

طرح معیشت کی ریڑھ کی ہڈی بن جاتی ہے۔

کھوکھر صاحب نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے وزیر اعلیٰ پنجاب سے ملاقات کی ہے اور اس مسئلے کو اجاگر کرنے کے لیے ہر فورم پر آواز اٹھائی ہے۔ اب وہ پنجاب بھر میں ایک پرامن احتجاج شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، جس کا آغاز سول سوسائٹی کی تنظیموں جیسے کسان بچاؤ تحریک کے ساتھ مل کر ہوگا۔ اور اس مقصد کے لیے دوسرے دھڑوں کے برعکس سیاسی جماعتوں کے ساتھ اتحاد سے گریز کریں گے۔

پاسکو کے اہلکاروں سے ملاقات

پاسکو کے سینئر عہدیداروں نے پاسکو کی جانب سے گندم کی وصولی کے لیے منتخب کردہ تحصیلوں کی تعداد، اس سال کے اہداف، اور یا کسانوں کے احتجاج پر سرکاری موقف کے بارے میں معلومات دینے انکار کر دیا۔ انہوں نے مشن کو بتایا کہ پاسکو اعداد و شمار صرف اس صورت میں ظاہر کرسکتا ہے اگر ایچ آر سی پی کی طرف سے باضابطہ طور پر درخواست کی جائے۔

تاہم، پاسکو کے ایک نمائندے نے (نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر) بعد میں مشن کو بتایا کہ پاسکو وفاقی حکومت کی ہدایت کے مطابق اہداف کو پورا کر رہا ہے۔ ذخیرہ اندوزی کی محدود صلاحیت کی وجہ سے، وہ پیدا ہونے والی گندم کا صرف معمولی سا حصہ ذخیرہ کر سکتے ہیں۔ باقی محکمہ خوراک پنجاب اور آٹے کی ملوں کو جاتی ہے۔ چونکہ گزشتہ سال کا ذخیرہ اور نئی درآمد شدہ گندم دستیاب ہے، لہٰذا وہ صرف 16 تحصیلوں سے گندم اکٹھی کر رہے ہیں۔ پاسکو کے نمائندے نے تسلیم کیا کہ 'نظام میں بہتری اور زیادہ شفافیت' کی ضرورت ہے۔

ماہر معاشیات ڈاکٹر عبدالغفور کا انٹرویو

مشن نے زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے ماہرِ معاشیات اور محقق ڈاکٹر عبدالغفور سے گفتگو کی۔ ڈاکٹر غفور نے ٹیلی فون پر مشن کو بتایا کہ امدادی قیمتوں کا مؤثر طریقے سے اعلان نہیں کیا گیا اور نہ ہی ان پر عمل درآمد کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ قیمتوں پر مصنوعی حد بندیاں اور پابندیاں نہیں ہونی چاہییں۔ اس کے بجائے، گندم کی منڈی کے معاملے میں ثالثی قیمتوں کو مستحکم کرنے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ اسی طرح باردانہ کی تقسیم پر کوئی مصنوعی پابندی نہیں ہونی چاہیے۔ مزید برآں، گندم درآمد اور برآمد کرتے وقت، حکومت کو پالیسی فیصلے کرنے سے پہلے گندم کی کُل سپلائی، ضروری ذخیرہ اندوزی اور درآمد و برآمد کے موجودہ اعداد و شمار کو مدِنظر رکھنا چاہیے۔

محکمہ خوراک کے ساتھ ملاقات

محکمہ خوراک کے سینئر افسران سال 2024/25 کے لیے گندم کی خریداری کی پالیسی پر کوئی سرکاری بیان دینے یا تبصرہ کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ گندم کی 95 فیصد فصل کاٹ کر بیوپاریوں اور تاجروں کو فروخت کر دی گئی ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ کسان کبھی بھی محکمہ خوراک یا پاسکو کو براہ راست گندم فروخت نہیں کرتے۔ اس کے بجائے، بیوپاری کم قیمت

مشن نے آل پاکستان کسان اتحاد کے مرکزی سیکرٹری جنرل رانا محمد ظفر طاہر اور صدر ظفر عباس لک سے پاسکو ہیڈ آفس لاہور میں 2 مئی کو ملاقات کی جہاں یہ نمائندے اور پنجاب بھر سے دیگر کسان باردانہ کی فوری فراہمی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ طاہر صاحب نے مشن کو بتایا کہ کسانوں کو کاشت کرنے کی ترغیب دینے کے باوجود وفاقی حکومت نے 3.5 ملین ٹن گندم درآمد کی ہے جبکہ ملک میں کسانوں کی کاشت شدہ گندم کا اب 4.7 ملین ٹن کا ذخیرہ موجود ہے۔ صوبائی حکومت اب اس بہت زیادہ ذخیرہ شدہ فصل کو 3,900 روپے فی 40 کلوگرام کی اعلان کردہ شرح پر خریدنے سے انکار کر رہی ہے۔ اس کے برعکس حکومت خریداری کو صرف 2.2 ملین ٹن تک محدود کر رکھا ہے۔

پر گندم خریدتے ہیں اور منافع کمانے کے لیے اسے زیادہ قیمت پر سرکاری محکموں کو فروخت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ درحقیقت کسانوں کو اس پالیسی سے فائدہ ہوا ہے۔

اہلکار نے مزید انکشاف کیا کہ پاکستان میں ایک کروڑ، بیس لاکھ کسانوں میں سے 15 فیصد کے پاس دو ایکڑ سے کم اراضی ہے۔ انہوں نے کہا کہ عام طور پر محکمہ خوراک بیوپاریوں اور تاجروں سے گندم خریدتا ہے لیکن اس سال پنجاب حکومت نے تاریخ میں پہلی بار ڈیڑھ لاکھ کسانوں سے براہ راست گندم خریدنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس طرح محکمہ خوراک بیوپاریوں اور تاجروں سے خریداری نہیں کر رہا تھا۔ بجائے اس کی بجائے وہ نمی کی سطح 10 فیصد سے نیچے گرنے کا انتظار کر رہے تھے (کیونکہ اس وقت یہ 16 فیصد ہے) تاکہ کاٹی گئی گندم کی فصل میں نمی کا زیادہ وزن ہو۔

انہوں نے مشن کو بتایا کہ کسانوں سے براہ راست گندم کی خریداری کو آسان بنانے کے لیے حکومت نے کسانوں کے اعداد و شمار کو اپنے موجودہ نادرا ریکارڈ اور اراضی کے ریکارڈ سے براہ راست منسلک کر کے انہیں مخصوص موبائل ایپس پر رجسٹر کیا ہے۔ محکمہ خوراک نے ایسے مراکز بھی قائم کیے ہیں جن کا کسانوں نے دورہ کیا تھا۔ پہلے دن، تقریباً پندرہ لاکھ چھوٹے کسانوں نے رجسٹر ہونے کی کوشش کی اور 800,000 افراد رجسٹر ہونے میں کامیاب رہے۔

ماحصل اور سفارشات

مختلف فریقین سے ملاقات کے بعد، مشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ گندم درآمد کرنے کا وفاقی حکومت کا فیصلہ تباہ کن ہے اور یہ زرعی معیشت، فصلوں کے دَور، اور لاکھوں کسانوں کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ مناسب قیمت پر گندم خریدنے سے صوبائی حکومت کی ہچکچاہٹ سے معاملہ مزید گھمبیر ہوسکتا ہے۔

مشن پولیس اہلکاروں سے ملاقات کرنے یا سرکاری بیانات لینے میں کامیاب نہیں ہوسکا حالانکہ مشن کے ارکان نے اُن سے ملاقات کے لیے کئی بار درخواست کی تھی۔ مشن کی رائے ہے کہ پولیس نے پرامن مظاہرین کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اُن پر بہت زیادہ تشدد کیا جس کی قطعاً ضرورت نہیں تھی۔

مشن نے اپنے نتائج کی بنیاد پر درج ذیل سفارشات پیش کی ہیں:

- صوبائی حکومت اپنی اعلان کردہ پالیسیوں کی پاسداری کرے اور 3900 روپے فی 40 کلو قیمت پر گندم خریدنا شروع کرے۔ فی الحال، حکومت کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اضافی گندم جانوروں، خاص طور پر مرغیوں کے چارے کے لیے استعمال کرے تاکہ کسانوں کو اُن کی فصل کی جائز قیمت مل سکے۔
- گندم کی درآمد و برآمد کے متعلق پالیسی ساز فیصلے کرنے سے پہلے، کُل سپلائی، ذخیرہ شدہ گندم، اور حالیہ درآمد و برآمد کے اعداد و شمار کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنی چاہیے۔
- حکومت کو فصلوں کی کاشتکاری کے بارے میں سائنسی بنیادوں پر منصوبہ بندی کرنی چاہیے اور شعبہ زراعت میں تحقیق و ترقی پر مزید سرمایہ لگانے کی ضرورت ہے۔
- گندم کی پالیسی سے متعلق فیصلہ سازی میں تمام سیاسی جماعتوں کو شامل کیا جائے اور ہر سطح پر جواہدہی کے اعلیٰ ترین اصولوں کی پاسداری یقینی بنائی جائے۔
- پرامن احتجاج ہر شہری کا بنیادی حق ہے۔ حکومت اس حق کی پامالی کے لیے غیر ضروری طاقت کے استعمال سے گریز کرے اور اس کی بجائے احتجاجی کسانوں کی شکایات اور مطالبات پر توجہ دے۔

سندھ کی دیہی مزدور خواتین کے مسائل

آصف البشر خان

دیہی سندھ میں خواتین مزدوروں اور کسانوں کو درپیش چیلنجز سے نمٹنے سے متعلق سندھ میں کام کرنے والی تنظیم ہاری ویلفیئر ایسوسی ایشن نے ایک رپورٹ جاری کی ہے جس میں واضح کیا گیا ہے کہ قابل ذکر آبادی ہونے کے باوجود، دیہی سندھ میں خواتین مزدوروں اور کسانوں کے حالات تشویشناک ہیں۔ رپورٹ میں "دیہی سندھ میں خواتین مزدوروں اور کسانوں کے حالات کا جائزہ" کے عنوان سے خواتین کے ان مسائل پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے جو معاشرتی وسماجی لحاظ سے خواتین کے حقوق کی پامالی اور استحصال کا براہ راست سبب بنتے ہیں۔

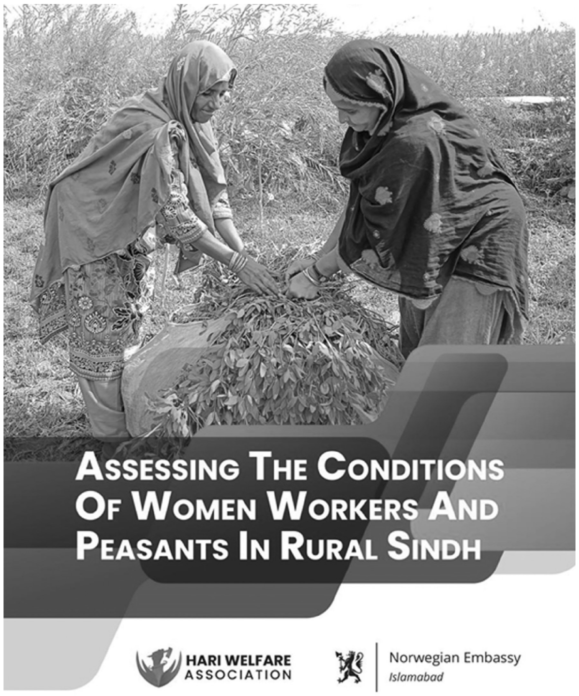
یہ رپورٹ بلاشبہ ریاست کے دائرہ اختیار میں آنے والے اقدامات کے دعووں کی نفی کرتی ہے مگر اس طرح کی رپورٹ کے اجراء نے ہاری ویلفیئر ایسوسی ایشن کے قد کو مزید بڑھادیا ہے۔ پاکستان میں بڑے پیمانے پر وسائل اور ترجیحات پر کام کرنے والی نامی گرامی این جی اوز نے بھی کبھی شاید اپنے قد سے بڑھ کر اس طرح کی کوشش نہ کی ہوگی۔ ہاری ویلفیئر ایسوسی ایشن نامی اس تنظیم نے نہ صرف دیہی مزدور کسان خواتین کے مسائل کی نشاندہی کی ہے بلکہ ریاستی اداروں کی کارکردگی پر سوالیہ نشان بھی ثبت کیے ہیں۔ یہ رپورٹ خواتین کسانوں اور مزدوروں کو درپیش چیلنجوں کے بارے میں جامع ثبوت فراہم کرتی ہے، جو زراعت، ماہی گیری اور مویشیوں میں صنفی کردار کے بارے میں قابل قدر بصیرت آمیز ہے۔

اس رپورٹ کا محور سندھ میں زیادہ تر جامع اور مساوی زرعی شعبے کی وکالت ہے۔ رپورٹ میں خواتین کے مسائل کو حل کرنے کے لیے بنائے گئے مختلف قوانین کے باوجود، دیہی پیشوں میں خواتین کے حوالے سے ان کے نفاذ میں ایک قابل ذکر فرق کو بھی توجہ طلب رکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر، ایس ڈبلیو اے ڈبلیو اے کے تحت بینظیر ویمن سپورٹ پروگرام کو اپنے پیچیدہ اور خود ساختہ بورڈ کی شکل میں بنائے گئے ڈھانچے کی وجہ سے چیلنجوں کا سامنا ہے۔ مزید برآں، خواتین کی ترقی کے محکمے نے دیہی خواتین کی ضروریات کو مناسب طریقے سے پورا نہیں کیا۔ زمین کی ملکیت کے لحاظ سے، دیہی سندھ میں 98.7 فیصد خواتین کے پاس زمین کی ملکیت نہیں ہے، جو کہ ناقص فیصلوں سے لے کر جائیداد کے حقوق کی کمی تک اہم چیلنجز کا سامنا کررہی ہے اگرچہ سندھ میں بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام جیسے اقدامات موجود ہیں، جس سے مزدور کسان دیہی خواتین کو بااختیار بنانے کے بجائے انحصار کے خدشات برقرار ہیں۔

رپورٹ میں تعلیمی مسائل کو بھی اجاگر کیا گیا ہے، جس میں دیہی خواتین کو تعلیم میں سخت صنفی امتیاز کا سامنا ہے۔ خواتین میں ناخواندگی ان کے حقوق کے بارے میں ان کے شعور کو متاثر کرتی ہے، ان کے بااختیار بننے میں رکاوٹ بنتی ہے اور غربت کے ایک چکر کو جاری رکھتی ہے۔ صحت کی دیکھ بھال تک رسائی تشویش کا ایک اور شعبہ ہے، جہاں خواتین کسانوں اور دیہی کارکنوں کو صحت کی دیکھ بھال تک مناسب رسائی نہیں ہے، جس کے نتیجے میں زچگی کی شرح اموات میں اضافہ ہوتا ہے۔ سماجی، ثقافتی، مذہبی اور معاشی رکاوٹیں دیہی سندھ میں خواتین کو درپیش چیلنجوں کو مزید پیچیدہ بناتی ہیں: رپورٹ میں دیہی سندھ میں خواتین مزدوروں اور کسانوں کو درپیش کثیر جہتی چیلنجوں سے نمٹنے کے لیے جامع مداخلت کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یہ موجودہ قوانین کے موثر نفاذ کی ضرورت اور خطے میں خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے اقدامات کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ رپورٹ جاری کرنے والی تنظیم کے سربراہ اکرم خاصخیلی کا کہنا ہے کہ خواتین کے لیے مخصوص قوانین کو لاگو کرنے کے لیے سیاسی عزم ہونا چاہیے اور منتخب اراکین کو ووٹروں کے حقوق کو یقینی بنانا اور ان کا تحفظ کرنا چاہیے۔

انہوں نے کہا کہ سندھ حکومت نے بہت سے قوانین بنائے ہیں جن پر عملدرآمد کی ضرورت ہے۔ سندھ میں 2022 کے سیلاب کے بعد فصلوں اور مویشیوں کے نقصانات اور مکانات منہدم ہونے سے کسان خواتین کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ خواتین کے لیے پائیدار پروگرام متعارف کرانے کی ضرورت ہے جو کسانوں اور محنت کش خواتین کو سماجی اور معاشی طور پر بااختیار بنائیں۔

انہوں نے زمینی اصلاحات اور قومی غذائیت کے



سروے کے نتائج پر بات چیت کے ساتھ ساتھ معاشرے میں مروجہ رویوں اور ذہنیت کے بارے میں بصیرت فراہم کی۔ رپورٹ میں زرعی اشیاء کی اہمیت پر زور دیا اور خیر پور اور لاڑکانہ کو زرعی صنعتی مراکز میں تبدیل کرنے کے امکانات کی تجویز پیش کی۔ ہاری ویلفیئر ایسوسی ایشن نے نوٹ کیا کہ موجودہ قوانین کے باوجود سندھ کے زرعی شعبے میں صنفی عدم مساوات برقرار ہے۔

مثال کے طور پر، 2019 سندھ ویمن ایگریکلچر ورکرز ایکٹ خواتین کے تعاون کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس پر عمل درآمد کو چیلنج کرتا ہے۔ جب کہ قانون منصفانہ ادائیگی اور انجمنوں کی تشکیل کا حکم دیتا ہے، زیادہ تر دیہی خواتین کو کم از کم اجرت نہیں ملتی، اور ان کے لیے یونین بنانا مشکل ہے۔ اسی طرح 2002 کے سندھ واٹر مینجمنٹ آرڈیننس میں خواتین کی شمولیت کو بڑھانے کے لیے 2021 میں ترمیم کی گئی لیکن افسر شاہی کی بے حسی اس پر عمل درآمد میں رکاوٹ ہے۔

سندھ انڈسٹریل ریلیشنز ایکٹ 2013 دونوں جنسوں کے اتحاد کے حق کو تسلیم کرتا ہے، لیکن نمایاں یونینائزیشن، خاص طور پر خواتین کسانوں کے لیے، میں تضادات اور وضاحت کی کمی کی وجہ سے کئی مسائل سے دوچار ہے۔

(بشکریہ نیوز اینڈ افیئر نیٹ ورک)

’آئین میں بچوں سے کیے گئے وعدے کو پورا کرنے کے لیے ہم ایمرجنسی نافذ کر رہے ہیں‘

فیصل باری

سلام آباد میں منعقدہ ایک کانفرنس میں وزیراعظم نے تعلیمی ایمرجنسی نافذ کرنے کا اعلان کیا۔ اگرچہ 18ویں ترمیم کے نتیجے میں تعلیم صوبائی معاملہ بن چکا لیکن وزیراعظم نے کہا کہ ایمرجنسی ملک کے لیے ہے اور وہ تعاون، تعمیل اور پیروی کو یقینی بنانے کے لیے تمام صوبوں اور وزرائے اعلیٰ کے ساتھ مل کر کام کریں گے۔ مذکورہ کانفرنس میں صوبوں کے نمائندگان بھی شریک تھے۔

ملک میں 5 سے 16 سال کے درمیان تقریباً دو کروڑ 62 لاکھ بچے اسکول جانے سے محروم ہیں۔ اور جو اسکول جاتے ہیں، ان میں سے زیادہ تر کو معیاری تعلیم فراہم نہیں کی جارہی۔ معیاری تعلیم تک رسائی کا انحصار، والدین کی آمدنی پر ہے کہ جتنی آپ کی آمدنی ہے اسی کے مطابق آپ اپنے بچے کو اسی معیار کی تعلیم مہیا کر سکتے ہیں۔ بصورت دیگر آپ کا بچہ یا تو اسکول نہیں جائے گا یا کسی سرکاری یا کم فیس والے نجی اسکول میں تعلیم حاصل کرے گا اور اس طرح کے زیادہ تر اسکولز معیاری تعلیم کی فراہمی میں ناکام ہوتے ہیں۔

آرٹیکل اے-25 ملک میں 5 سے 16 سال کی عمر کے تمام بچوں کو ’مفت اور لازمی‘ تعلیم فراہم کرنے کو کہتا ہے جسے 2010ء میں ہمارے آئین کے بنیادی حقوق کے حصے میں شامل کیا گیا تھا۔ 14 سال بعد ہم نے آئین میں اپنے بچوں کو جس بنیادی حق دینے کا وعدہ کیا تھا، اسے پورا کرنے کے لیے ایمرجنسی کا اعلان کر رہے ہیں! اس سے پہلے اپنی تقریر میں وزیراعظم نے اسے مجرمانہ غفلت قرار دیا تھا۔ یہ یقیناً اس سے کہیں زیادہ ہے۔

لغت میں ’ایمرجنسی‘ کے معنی ہیں ’ایک سنگین، غیر متوقع اور خطرناک صورت حال جس کے لیے فوری کارروائی کی ضرورت ہوتی ہے‘۔ جہاں تک ملک میں تعلیم کی موجودہ حالت کا تعلق ہے تو بلاشبہ صورت حال سنگین اور خطرناک ہے۔ لیکن یہ غیر متوقع ہرگز نہیں۔ یہ دہائیوں سے تعلیم کو دانستہ اور بامقصد انداز میں نظرانداز کرنے کا نتیجہ ہے۔

آج بھی جب بین الاقوامی ادارے تعلیم پر جی ڈی پی کا کم از کم چار فیصد خرچ کرنے کی سفارش کرتے ہیں تو ہماری حکومت 1.7 فیصد یا اس سے تھوڑا زیادہ ہی خرچ کرتی ہے۔ ماہرین تعلیم، محققین، سول سوسائٹی کے نمائندگان، اساتذہ، والدین اور طلبہ جو برسوں سے اس غفلت کی بات کر رہے ہیں، ان کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ ماضی میں سامنے آنے والی ہر تعلیمی پالیسی میں تعلیم کو ہمہ گیر بنانے کا اعادہ کیا گیا۔ اگرچہ ہم نے 1947ء میں پہلی تعلیمی کانفرنس سے درست سمت میں اپنے سفر کا آغاز کیا لیکن ہمیں تعلیم کو عالمگیر بنانے میں ابھی بہت کام کرنا ہے۔ ہماری موجودہ تعلیمی صورت حال ان انتخابات کا نتیجہ ہے جو ہم نے بحیثیت معاشرہ ماضی میں کیے اور اب بھی کر رہے ہیں۔

اس تناظر میں ہنگامی حالات میں ’فوری کارروائی کی ضرورت‘ ہوتی ہے جو ابھی ہونا باقی ہے۔ ایمرجنسی کا اعلان کرتے وقت اس حوالے سے کچھ نہیں بتایا گیا کہ حالات سے نمٹنے کے لیے کیا اقدامات کیے جائیں گے، پالیسی میں کیا تبدیلیاں ہوں گی اور ریاست تعلیم پر کب اور کیسے زیادہ سرمایہ کاری کرے گی۔ یہ سب کب طے ہوگا؟

اس پر عمل درآمد کیسے ہوگا؟ اس عمل درآمد کی نگرانی کون کرے گا اور کون اس بات کو یقینی بنائے گا کہ ہم ’تمام بچوں کے لیے معیاری تعلیم تک رسائی‘ کے ہدف کے حصول کے لیے اقدامات لیں۔ ہم یہ کیسے یقینی بنائیں گے کہ یہ سب کچھ محض بیان بازی نہیں ہے اور حقیقی اقدامات لیے جائیں گے؟

وزیراعظم نے کہا کہ وہ خود نگرانی کریں گے۔ اس طرح پُرعزم ہونا اچھی بات ہے لیکن وزیراعظم کی مصروفیت کو مدنظر رکھا جائے تو یہ کام ان کے لیے کرنا انتہائی مشکل ہے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ عمل درآمد کے معاملات کو دیکھنے کے لیے ایک ’ٹاسک فورس‘ ہوگی۔ ٹاسک فورس، اس کا مینڈیٹ اور طاقت، اس کے طریقہ کار کا اعلان بھی نہیں کیا گیا۔ اب دیکھتے ہیں کہ اس تمام معاملے میں پیش رفت کب ہوتی ہے۔

اگر ہم اپنے ملک کے تمام بچوں کو معیاری تعلیم تک رسائی فراہم کرنے کے اپنے وعدوں پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو فوری طور پر جامع کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ کام ایمرجنسی کی آڑ میں ہو تو ایسا ہی صحیح۔ لیکن حکومت کی سنجیدگی ان اقدامات جو وہ اب لیں گے اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے نتائج سے ثابت ہوگی۔ بصورت دیگر یہ سب بیان بازی بن کر رہ جائے گی اور یوں ہم ایک اور موقع ضائع کر دیں گے۔

کوئی ایک پروگرام نہیں ہوسکتا جس پر تمام صوبائی حکومتیں عمل کریں۔ تمام صوبوں اور وفاق کے مختلف حالات کے پیش نظر اگر حکومتوں کی اپنی ترجیحات مقامی حالات کے مطابق ہیں تو یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ درحقیقت یہ تو اور بہتر ہے کیونکہ مقامی منصوبہ بندی سے مقامی لوگ اسے خود سے جوڑ پائیں گے۔ لیکن تمام حکومتوں کی طرف سے ترجیحات اور جن ایکشن پلانز پر وہ عمل کریں گی، اس کا واضح اعلان ہونا چاہیے۔

پاکستان کے سرکاری شعبے میں تقریباً ایک لاکھ اسکولز ہیں جبکہ مجموعی طور پر 2 لاکھ 50 ہزار سے زائد اسکولز موجود ہیں۔ اسی طرح ہمارے پاس پبلک سیکٹر میں تقریباً 10 لاکھ اساتذہ ہیں اور مجموعی طور پر 20 لاکھ سے زیادہ اساتذہ تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ ہمارے پاس اب بھی اسکولز اور اساتذہ کی کمی ہے۔ تو ایسے میں ہم یہاں ایک بہت بڑے نظام تعلیم کی بات کر رہے ہیں۔ ایک بڑے نظام میں اصلاحات یا بڑے نظام میں تبدیلی کے لیے بڑی اور گہری تبدیلیوں کی ضرورت ہوگی۔

حکومتیں کافی عرصے سے تعلیم سمیت مختلف شعبہ جات میں چھوٹے چھوٹے اقدامات لے رہی ہیں، لیکن یہ ان دو کروڑ 62 لاکھ اسکول نہ جانے والے بچوں یا اسکولز جانے والے لاکھوں بچوں کے لیے تعلیمی معیار کے مسائل کو حل کرنے کے لیے کافی نہیں۔

ہمیں مزید اسکولز، اساتذہ اور کلاسز کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنی تشخیص اور امتحانی نظام کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنے نصاب اور کتابوں کو دوبارہ ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اساتذہ کی تدریسی صلاحیتوں اور علم کو اپ گریڈ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں پبلک سیکٹر میں گورننس کے بہتر ڈھانچے کی ضرورت ہے۔

اس سمیت بہت کچھ ہمیں بڑے پیمانے پر تیزی سے کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے مزید وسائل درکار ہوں گے اور اس کو ترجیح بنانے اور ہم آہنگی پیدا کرنے پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہوگی۔ اور اس کے لیے اعلیٰ سطح کی اہلیت کی بھی ضرورت ہوگی۔ ایمرجنسی کا مطالبہ کرتے ہوئے وزیراعظم نے کہا ہے کہ وہ اس سب میں بذاتِ خود توجہ دے رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ کیا یہ بیان بازی کے علاوہ بھی کچھ ثابت ہوگا۔

لکھاری لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز میں اکنامکس پڑھاتے ہیں، اور IDEAS لاہور کے ویزیٹنگ فیلو ہیں۔ ان کا ای میل ایڈریس

faisal.bari@ideaspak.org

اور

bari@lums.edu.pk ہے۔

(بشکریہ روزنامہ ڈان)

قلم آزاد

ترتیب وادارت: ادریس بابر

اجازت

زندگی کے جتنے دروازے ہیں، مجھ پر بند ہیں
دیکھنا .....حدِ نظر سے آگے بڑھ کر دیکھنا بھی جرم ہے
سوچنا، اپنے عقیدوں اور یقینوں سے نکل کر سوچنا بھی جرم ہے
آسماں در آسماں اسرار کی پرتیں ہٹا کر جھانکنا بھی جرم ہے
کیوں بھی کہنا جرم ہے،
کیسے بھی کہنا جرم ہے
سانس لینے کی تو آزادی میسر ہے مگر
زندہ رہنے کے لئے کچھ اور بھی درکار ہے
اور اس ''کچھ اور'' کا تذکرہ بھی جرم ہے
اے ہنر مندانِ آئین و سیاست!
اے خداوندانِ ایوانِ عقائد!
زندگی کے نام پر بس اک عنائت چاہیئے
مجھے ان سارے جرائم کی اجازت چاہیئے۔
(احمد ندیم قاسمی)

اسے اٹھالو

یہ اپنی مرضی سے سوچتا ہے، اسے اُٹھا لو
''اُٹھانے والوں'' سے کچھ جُدا ہے، اِسے اُٹھا لو
وہ بے ادب اس سے پہلے جن کو اُٹھا لیا تھا
یہ ان کے بارے میں پوچھتا ہے، اِسے اُٹھا لو
اسے بتایا بھی تھا کہ کیا بولنا ہے، کیا نہیں
مگر یہ اپنی ہی بولتا ہے، اِسے اٹھا لو
جنہیں ''اُٹھانے'' پہ ہم نے بخشے مقام وخلعت
یہ اُن سیانوں پہ ہنس رہا ہے، اِسے اٹھا لو
یہ پوچھتا ہے کہ امنِ عامہ کا مسئلہ کیوں
یہ امنِ عامہ کا مسئلہ ہے، اِسے اٹھا لو
اِسے کہا تھا جو ہم دکھائیں بس اُتنا دیکھو
مگر یہ مرضی سے دیکھتا ہے، اِسے اٹھا لو
سوال کرتا ہے یہ دیوانہ ہماری حد پر
یہ اپنی حد سے گزر گیا ہے، اِسے اُٹھالو
(احمد فرہاد)

عشرہ//جلیانوالہ،لاہور

جب بندوق سے ایک بیانیہ بنایا گیا
نہتے لوگوں پر جب گولی چلائی گئی
ظالم! جاہل!! فیک!!! بیانیہ بنایا گیا
چودہ نہیں، چونتیس لاشیں معصوموں کی!
سوشل میڈیا تک پر خبر دبائی گئی
سنی تو مظلوموں نے سنی مظلوموں کی
ڈائر کی جگہ ڈائر اور آ جاتا ہے
یہ واردات نہیں ہو سکتی آئی گئی
ہر نو مئی کو امرتسر سے ہجرت کر کے
جلیانوالہ باغ..........لہور آ جاتا ہے
(ادریس بابر)

التجاء

(مہسا امینی کیلیے)

ھماری سانسوں پہ جبر کے خار دار پہرے
جو عہد _ وحشت کی یادگاروں
عمامہ بر سر تہی دماغوں نے چن دیئے ھیں
خدائے برتر
بنام _ نور _ ھدایت _ دل
یہ ظلمت _ جبر آفریں ھے
کہ ایک دختر کا خوں بہانا
کہاں کی نیکی ھے کیسا تقوا؟
ترا ھی فرمان ھے خدایا
بای ذنب قتلت پھر کیوں
ہمارے سانسوں کو یوں بہانوں سے کھینچتے ہیں
خدائے ارض و سما
زمیں پر اتر کے آ اور
ہماری سانسیں پھر اس بدن میں بحال کردے
(اشکر فاروقی)

رہزنی خوب نہیں خواجہ سراؤں کے لیے

رہزنی خوب نہیں خواجہ سراؤں کے لیے
شور پائل کا سر راہ نہ رسوا کر دے
ہاتھ اٹھیں گے تو کنگن کی صدا آئے گی
تیرگی فتنہ شہوت کو ہوا دیتی ہے
چاندنی رقص پر مجبور کیا کرتی ہے
نرم ریشم سے بنے شوخ دوپٹوں کی قسم
لوگ لٹنے کو سر راہ چلیں آئیں گے
اس قدر آئیں گے بھر جائے گا پھر رات کا دل
سخت لہجہ، گل نغمہ میں بدل جائے گا
خوں بہانے کے عوض عطر فشانی ہو گی
ہوش آئے گا تو بکھرے پڑے ہوں گے گھنگھرو
صبح پھر چاک لباسوں کا تماشہ ہو گا
رہزنی خوب نہیں خواجہ سراؤں کے لیے
(علی اکبر ناطق)

ابابیل ایک فرضی پرندہ ھے

اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے؟؟
کہ حملہ آور تین ھیں یا تین ہزار
تماشا دیکھنے والے بیس ھیں یا بیس کروڑ
درد زیادہ ہو رہا ہے
یا خون زیادہ بہہ رہا ہے
ان سب باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا
خالی مٹھّیاں دیر تک بھینچی رہیں
تو محض انگلیوں میں ہی درد ھوتا ہے
مذمت، تعزیت اور افسوس کی سرحدوں سے دور
فرق صرف اس بات سے پڑ رہا ہے
کہ روکنے والا کوئی نہیں ہے
اور نشانے پر صرف میں ہوں
(طیب رضا)

وراثت

اپنی مرضی سے تو مذہب بھی نہیں اس نے چنا تھا
اس کا مذہب تھا جو ماں باپ سے ہی
اس نے وراثت میں لیا تھا
اپنے ماں باپ چنے کوئی یہ ممکن ہی کہاں ہے؟
اس پہ یہ ملک بھی لازم تھا کہ
ماں باپ کا گھر تھا اس میں
یہ وطن اس کا چناؤ تو نہیں تھا............
وہ تو کل نو ہی برس کا تھا، اسے کیوں چن کر
فرقہ وارانہ فسادات نے کل قتل کیا۔۔۔ !
(گلزار احمد)

عورتیں

سوشل میڈیا لڑکیوں پر منفی اثرات ڈال رہا ہے، یونیسکو رپورٹ

سوشل میڈیا صنفی حوالے سے دقیانوسی تصورات کو تقویت دے رہا ہے جس سے لڑکیوں کی زندگی، تعلیم اور کیریئر پر منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور انہیں سائبر غنڈہ گردی سے لاحق خطرات میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اقوام متحدہ کے تعلیمی، سائنسی و ثقافتی ادارے (یونیسکو) نے خبردار کیا ہے کہ اگرچہ ڈیجیٹل ٹیکنالوجی سے سیکھنے سکھانے کے عمل کو مزید بہتر بنایا جا سکتا ہے لیکن اس سے صارفین کی معلومات کے غلط استعمال اور تعلیم سے توجہ ہٹنے کا خطرہ بھی بڑھ رہا ہے۔ ادارے کی جاری کردہ ایک نئی رپورٹ کے مطابق الگورتھم کے ذریعے چلائے جانے والے ڈیجیٹل پلیٹ فارم صنفی حوالے سے منفی تصورات کو پھیلاتے اور خاص طور پر لڑکیوں کی ترقی کو منفی طور سے متاثر کرتے ہیں۔ یونیسکو کی ڈائریکٹر جنرل آدرے آزولے نے کہا ہے کہ ایسے پلیٹ فارم کی تیاری میں اخلاقی پہلوؤں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ سوشل میڈیا کو تعلیم اور کیریئر کے حوالے سے لڑکیوں کی خواہشات اور امکانات کو محدود کرنے کا ذریعہ نہیں ہونا چاہیے۔ انسٹا گرام اور ٹک ٹاک کا مسئلہ 'لڑکیوں کی شرائط پر ٹیکنالوجی' کے عنوان سے اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ الگورتھم کے ذریعے خاص طور پر سوشل میڈیا پر پھیلائے جانے والے تصویری مواد سے لڑکیوں کے لیے غیر صحت مند طرز عمل یا غیر حقیقی جسمانی تصورات کو قبول کرنے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔ اس سے ان کی عزت نفس اور اپنی جسمانی شبیہہ کے بارے میں سوچ کو نقصان ہوتا ہے۔ رپورٹ میں فیس بک کی اپنی تحقیق کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ 20 سال سے کم عمر کی 32 فیصد لڑکیوں نے بتایا کہ جب وہ اپنے جسم کے بارے میں برا محسوس کرتی ہیں تو انسٹاگرام انہیں اس کی مزید بری شبیہہ دکھاتا ہے۔ دوسری جانب ٹک ٹاک پر مختصر اور دلفریب ویڈیوز سے صارفین کا وقت ضائع ہوتا ہے اور ان کی سیکھنے کی عادات متاثر ہوتی ہیں۔ اس طرح متواتر توجہ کے طالب تعلیمی اور غیر نصابی اہداف کا حصول مزید مشکل ہو جاتا ہے۔

سائبر غنڈہ گردی اور ڈیپ فیک

رپورٹ کے مطابق لڑکیوں کو آن لائن غنڈہ گردی کا سامنا لڑکوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتا ہے۔ معاشی تعاون و ترقی کی تنظیم (او ای سی ڈی) میں شامل ممالک سے متعلق دستیاب اعداد و شمار کے مطابق 12 سے 15 سال عمر تک کی لڑکیوں نے بتایا کہ انہیں کبھی نہ کبھی سائبر غنڈہ گردی کا سامنا ہو چکا ہے۔ یہ اطلاع دینے والے لڑکوں کی تعداد 8 فیصد تھی۔ مصنوعی ذہانت کے ذریعے بنائی جانے والی جعلی تصویروں، ویڈیوز اور جنسی خاکوں کے آن لائن اور کمرہ ہائے جماعت میں پھیلاؤ نے اس مسئلے کو مزید گھمبیر بنا دیا ہے۔ اس رپورٹ کی تیاری کے عمل میں بہت سے ممالک کی طالبات نے بتایا کہ انہیں آن لائن تصاویر یا ویڈیوز سے واسطہ پڑتا ہے جنہیں وہ دیکھنا نہیں چاہتیں۔ اس جائزے کے نتائج سے تعلیم بشمول میڈیا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اس سے گزشتہ نومبر میں ڈیجیٹل سماج کے انتظام سے متعلق یونیسکو کی رہنمائی کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈیجیٹل سماجی رابطوں کو بہتر اور باضابطہ بنانے کی ضرورت بھی سامنے آتی ہے۔

خواتین کی ترقی میں 'ڈیجیٹل' رکاوٹ

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ سوشل میڈیا کے ذریعے پھیلنے والے منفی صنفی تصورات لڑکیوں کے لیے سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور ریاضی کی تعلیم میں بھی رکاوٹ بن رہے ہیں۔ ان شعبوں پر زیادہ تر مردوں کا اجارہ ہے جس کی باعث لڑکیاں ایسے ڈیجیٹل ذرائع کی تخلیق کے مواقع سے محروم رہتی ہیں جو ان دقیانوسی تصورات کے خاتمے میں مدد دے سکتے ہیں۔ یونیسکو کے مطابق 10 برس سے دنیا بھر میں سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور ریاضی کے مضامین میں گریجویٹ خواتین کی شرح 35 فیصد پر برقرار رہی۔ حالیہ رپورٹ بتاتی ہے کہ رائج صنفی تعصّبات خواتین کو ان شعبہ جات میں کیریئر بنانے سے روکتے ہیں اور اس طرح ٹیکنالوجی کے شعبے کی افرادی قوت میں خواتین کا تناسب بہت کم رہ جاتا ہے۔ دنیا بھر میں سائنس، انجینئرنگ اور اطلاعاتی ٹیکنالوجی سے متعلق نوکریوں میں خواتین کا تناسب 25 فیصد سے بھی کم ہے۔ دنیا کی بڑی معیشتوں کو دیکھا جائے تو ڈیٹا اور مصنوعی ذہانت کے شعبوں میں ان کی تعداد 26 فیصد، انجینئرنگ میں 15 فیصد اور کلاؤڈ کمپیوٹنگ میں 12 فیصد ہے۔ اسی طرح نئی ایجادات کے حقوق ملکیت کی درخواست دینے والوں میں خواتین کا تناسب صرف 17 فیصد ہے۔

پالیسی سازی کی ضرورت

جائزے کے نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا بھر میں آنے والی ڈیجیٹل تبدیلی میں مردوں کا کردار نمایاں ہے۔ اگرچہ 68 فیصد ممالک نے سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور ریاضی کے شعبوں کی ترقی کے لیے پالیسیاں بنا رکھی ہیں لیکن ان میں نصف ہی لڑکیوں اور خواتین کے لیے مددگار ہیں۔ یونیسکو کا کہنا ہے کہ ان پالیسیوں میں کامیابی کی نمایاں مثالوں کو اجاگر کرنا ضروری ہے جس کے لیے سوشل میڈیا سے بھی کام لیا جانا چاہیے۔ لڑکیوں کی سائنس، ٹیکنالوجی، انجینئرنگ اور ریاضی کے شعبے اختیار کرنے کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔ معاشروں کی ڈیجیٹل تبدیلی میں خواتین کا مساوی کردار یقینی بنانے اور واقعتاً مشمولہ ٹیکنالوجی کی تیاری کے لیے ایسا کیے بغیر چارہ نہیں۔ (بشکریہ یو این خبر نامہ)

دارالامان سے دو عورتیں لاپتہ

میانوالی ابتدائی اطلاعاتی رپورٹ (ایف آئی آر) کے مطابق، دارالامان میانوالی سے ملزمان محمد شاہد سکنہ سرگودھا اور محمد ندیم سکنہ جلال پور ضلع میانوالی نے دارالامان میں مقیم نسیم بی بی کی مدد سے دارالامان میں مقیم دو خواتین صدف فریال دختر حضرت عمر اور طاہرہ پروین زوجہ حق نواز کو دارالامان کی حدود سے مبینہ طور پر اغوا کر لیا۔ یاد رہے کہ سیکرٹری کی ہدایت پر ڈویژنل انچارج نے غفلت اور کوتاہی برتنے پر دارالامان میانوالی کے عملے کو معطل کر دیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق، پولیس ملزموں کی گرفتاری کے لیے کوششیں کر رہی ہے۔ (محمد رفیق)

خاتون کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنا ڈالا

اوکاڑہ علامہ اقبال ٹاؤن بصیر پور کا رہائشی رفیق نور اپنے اہلخانہ کے ہمراہ گندم کی کٹائی کرنے گیا ہوا تھا جس کی بہو نزیراں گھر میں اکیلی تھی کہ رضوان نامی نوجوان اس کے گھر میں گھس گیا اور نزیراں کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنا کر فرار ہو گیا پولیس تھانہ بصیر پور نے مقدمہ درج کر کے ملزم کی گرفتاری کے لئے چھاپے مارنے شروع کر دیے ہیں۔ (اصغر حسین حماد)

دو لڑکیاں گولی لگنے سے قتل

میانوالی داؤد خیل، ضلع میانوالی دس ہزار پل نہر تھل پراجیکٹ کے کنارے وزیرستان سے آئے ہوئے کچھ لوگ خیموں میں رہ رہے ہیں۔ وہاں ایک خاتون اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اپنے والدین کے گھر بیٹھی ہوئی تھی کہ اس کا شوہر ایک اور شخص کے ہمراہ اسے منانے آیا۔ دوران گفتگو ان کی تلخ کلامی ہوئی تو لڑکی کے شوہر نے پسٹل نکال کر فائرنگ شروع کر دی جس دوران اس کی بیوی کی بہن کو گولی لگی جو زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہلاک ہو گئی۔ ملزم فرار ہو گیا۔ مقدمہ درج کر لیا گیا تھا۔ دوسرے واقعہ میں دوابہ تحصیل پپلاں ضلع میانوالی میں دو گروہوں کی ذاتی دشمنی کی وجہ سے فائرنگ ہوئی جس کے نتیجہ میں قریب کھیتوں میں گندم کی کٹائی کرتی نوجوان لڑکی کو گولی لگی جس سے وہ جاں بحق ہو گئی۔

(محمد رفیق)

معذوری سے متاثرہ لڑکی کی نعش برآمد

نوشہروفیروز بھریاسٹی کے گاؤں کبیٹر سولنگی کی ذہنی معذوری سے متاثرہ نوجوان لڑکی کی لاش ایک تالاب سے برآمد ہوئی ہے۔تفصیلات کے مطابق بھریاسٹی کے گاؤں کبیٹر سولنگی کی رہائشی ذہنی معذوری سے متاثرہ نوجوان لڑکی فرحانہ سولنگی جو کہ دو روز قبل اچانک اپنے گاؤں سے لاپتہ ہوگئی تھی، گاؤں کے باہر ایک تالاب سے مردہ حالت میں ملی ہے۔ پولیس نے نعش تحویل میں لے کر پوسٹ مارٹم کے لیے اسپتال روانہ کردی۔واقعے کی تحقیقات جاری تھیں۔

(الطاف حسین قاسمی)

عورت کی نعش ملی، قتل کیس درج

عمرکوٹ 7 مئی کوتحصیل وضلع عمرکوٹ کے علاقے بودر فارم پولیس تھانے کی حدود میں واقع گاؤں الھڈ نومہر میں چار بچوں کی ماں 30 سالا کویتا زوجہ نارائن بھیل کی نعش اس کے گھر سے برآمد ہوئی۔ اطلاع پر بودر فارم تھانے کی پولیس نے جائے وقوعہ پر پہنچ کر نعش اپنی تحویل میں لیکر سول اسپتال عمرکوٹ منتقل کی۔ وہاں سے پوسٹ مارٹم کے بعد عورت کے میکے والوں کے حوالے کی۔عورت کے بھائی نارائن بھیل نے الزام لگاتے ہوئے کہا کہ اس کی بہن کویتا کو اُس کے شوہر نے گھریلو جھگڑے پر مار پیٹ کر کے گلا گھونٹ کر قتل کیا ہے۔ پوسٹ مارٹم کرنے والی لیڈی ڈاکٹر کے مطابق عورت کے جسم پر مار پیٹ کے نشانات تھے۔ پولیس نے عورت کے شوہر کو حراست میں لے لیا تھا اور واقعے کا مقدمہ درج کرلیا تھا۔ (نامہ نگار)

نعش کی بے حرمتی پر احتجاج

نوشہروفیروز تفصیلات کے مطابق روہڑی کینال محراب پور ریگولیٹری کے دروازوں میں پھنسی عورت کی نیم برہنہ تیرتی لاش دیکھ کر اہل علاقہ نے مقامی پولیس اور محکمہ آبپاشی کو اطلاع دی مگر دونوں اداروں نے غفلت کا مظاہرہ کیا جس کے باعث کئی گھنٹوں تک ان کا کوئی بھی اہلکار وہاں نہیں پہنچا۔ بالآخر اہل علاقہ کی بڑی تعداد روہڑی کینال پہنچ گئی۔ بعد ازاں عوامی شکایت پر محکمہ آبپاشی عملہ نے ریگولیٹری کے دروازے کھول کر لاش کو اپنی حدود سے آگے روانہ کردیا۔اس موقع پر شہریوں وسماجی شخصیات نے شدید غم وغصے کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ ٹاؤن کمیٹی عملہ کی مدد سے لاش کو کینال سے نکالا جاسکتا تھا مگر دونوں محکموں نے اپنے فرائض سے غفلت برتی جس کے نتیجے میں نعش مسخ ہوئی۔ آخری اطلاعات کے مطابق، لاش تیرتی ہوئی ہالانی اور کنڈیارو کی جانب روانہ ہوگئی تھی۔(الطاف حسین قاسمی)

نوجوان لڑکی کا مبینہ اغوا

ٹنڈومحمد خان ٹنڈ محمد خان کے گاؤں ڈگ موری کے رہائشی بھگو کوھلی نے الزام لگاتے ہوئے کہا کہ اس کی 13 سالہ بیٹی مایا کماری کو پندرہ روز قبل مقامی زمیندار نے اغوا کر لیا تھا۔ بھگو کوہلی کے مطابق، انہوں نے تھانے میں رپورٹ درج کروائی تھی مگر پولیس ملزموں کے ساتھ ملی ہوئی جس وجہ سے وہ معاملے کی شفاف تحقیقات نہیں کر رہی۔مغویہ کے اہل خانہ نے سول سوسائٹی کے اراکین کے ہمراہ پریس کلب میں احتجاجی دھرنا دیا اور بچی کی بحفاظت بازیابی کا مطالبہ کیا۔ (یعقوب لطیف)

بااثر افراد کے ہاتھوں نابالغ لڑکی کے مبینہ اغواء کا واقعہ، متاثرین کی انصاف کی اپیل

خضدار بلوچستان کے ضلع خضدار کی تحصیل زہری کہن کے رہائشی ثناء اللہ زہری نے اپنے اہلخانہ کے ہمراہ خضدار پریس کلب میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ میں ایک عزت دار غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں گذشتہ رمضان المبارک کے آخری دنوں میں رات تراویح نماز کے دوران نامزد ملزمان قادربخش کہنی اور اس کے بیٹوں نادر کہنی، عامر کہنی اور دیگر مسلح افراد نے میرے گھر پر دھاوابول کر فائرنگ کر کے گھر کی خواتین کو زخمی کیا۔ ثناء اللہ کے مطابق اس دوران مذکورہ افراد گھر میں موجود تمام افراد کو زدوکوب کرنے کے بعد میری 15 سالہ نابالغ بیٹی نسرین کو بزور اسلحہ اپنے ساتھ لے گئے جو تاحال ملزمان کے پاس ہے۔اغواء شدہ لڑکی کے والد نے الزام عائد کیا ہے کہ انکے گھر پر حملہ اور بیٹی کے اغواء کاروں کو بااثر شخصیات کی تعاون حاصل ہے جن میں ڈاکٹر شفیع زہری، رحمت اللہ کہنی، علی محمد کہنی، عطاء اللہ کہنی، علی شفیع کہنی شامل ہیں۔ثناء اللہ کے مطابق ان بااثر افراد نے اغوا کار کو اپنے گھر پر پناہ دی ہے۔واقعہ کیخلاف لیویز تھانہ زہری کو ایف آئی آر کیلئے درخواست دی ہے لیکن ملزمان اور ان کے معاونین کے بااثر ہونے کی وجہ سے کوئی کاروائی عمل میں نہیں لائی گئی ہے۔انہوں نے کہا کہ زہری انتظامیہ کے کچھ آفیسران دباؤ اور لالچ میں آکر ان بااثر افراد کو کچھ نہیں کررہے ہیں، میڈیا کے سامنے اپنی فریاد لیکر آئے ہیں۔انہوں نے کہا ملزمان کی معاونین سرکاری ملازم رحمت اللہ کہنی، عطائاللہ کہنی، علی محمد کہنی، علی شفیع کہنی ہمیں دھمکیاں دے رہے ہیں کہ آپ خاموش رہو ورنہ حشر برا ہوگا، انہوں نے حکام بالا سے مطالبہ کیا ہے کہ فوری نوٹس لیکر میری بیٹی کو بازیاب کرائیں اور ملزمان اور ان کے معاونین کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے- (نامہ نگار)

قانون نافذ کرنے والے ادارے

مظاہرین پر ایف سی اہلکاروں کی فائرنگ سے چار نوجوان ہلاک

چمن چمن ایف سی ہیڈکوارٹر کے سامنے پاک افغان بارڈر پر کاروبار اور مقامی افراد کی آزادانہ نقل وحرکت پر پابندی کیخلاف مقامی شہریوں نے احتجاج کیا۔ ایف سی کی جانب سے مبینہ ردعمل کے طور پر آنسو گیس کی شیلنگ اور فائرنگ کی گئی جسکے نتیجے میں متعدد نہتے شہری زخمی ہوگئے جنہیں چمن سول اسپتال منتقل کیا گیا۔ علاقے میں حالات کشیدہ ہوگئے ہیں۔تفصیلات کی مطابق حالات خراب ہونے کے باعث پاک افغان باڈر شاہراہ بند ہوگئی۔ ساتھ ہی 7 ماہ سے زائد عرصے سے جاری دھرنے میں سینکڑوں افراد جمع ہونا شروع ہوگئے۔دھرنہ کے شرکاء اور پرلت کمیٹی نے دعویٰ کرتے ہوئے کہا ہے کہ چمن دھرنے میں ایف سی اہلکاروں نے گھس کر متعدد خیمے جلا دیے اور دھرنے سے لاؤڈ اسپیکر اٹھا کر توڑ پھوڑ کی۔اسپتال ذرائع کے مطابق اب تک 4 ہلاک شدگان اور 50 زخمی اسپتال منتقل ہوئے ہیں جبکہ شدید زخمیوں کو ابتدائی طبی امداد کے بعد کوئٹہ منتقل کردیا گیا ہے۔ واقعے کی کوریج کیلئے جانے والے صحافیوں پر بھی مشتعل افراد کی جانب سے پتھراؤ کی اطلاع ملی ہے جبکہ موقع پر موجود کچھ افراد نے انھیں وہاں سے بحفاظت نکال کر چمن پریس کلب پہنچایا۔ اس وقت علاقے میں حالات کنٹرول کرنے کیلئے پولیس کی بھاری نفری ایف سی ہیڈکوارٹر کے سامنے تعینات کردی گئی ہے۔ (محمد صدیق)

طلبا ومقامی افراد کا مشترکہ احتجاجی مظاہرہ

جمرود تفصیلات کے مطابق گورنمنٹ ہائی اسکول شاہ گئی لالا چینہ کے طلباء ومقامی افراد نے علاقہ شاگئی کے مقام پر احتجاج کرتے ہوئے پاک افغان شاہراہ کو ہر قسم کی ٹریفک کیلئے بند کردیا۔ مظاہرین کے مطابق گورنمنٹ ہائی اسکول شاگئی میں کئی ہفتوں سے تعلیم کا سلسلہ بند ہے۔طلباء کے والدین ومقامی افراد دن کے گیارہ بجے اسکول میں پرنسپل ہائی سکول سے ملنے سکول گئے تھے جہاں معلوم ہوا کہ پرنسپل نے خود سمیت کئی اساتذہ کی میٹرک امتحانات میں ڈیوٹی لگائی تھی جبکہ سکول میں موجود اساتذہ طالب علموں کو پڑھانے کی بجائے اسٹاف روم میں فارغ بیٹھے ہوئے تھے اور اسکول میں طالب علم غیر حاضر تھے جس پر مقامی افراد نے پاک افغان شاہراہ پر احتجاجی دھرنا دیا۔مظاہرین نے مطالبہ کیا کہ پرنسپل کی غیر ذمہ داری کا نوٹس لیا جائے اور تعلیم کا سلسلہ شروع کیا جائے تاکہ طلبا کا قیمتی وقت مزید ضائع نہ ہو۔ (مسعود شاہ)

احتجاجی دھرنا

خیبر جمرود باب خیبر کے مقام پر آل فاٹا سابقہ خاصہ دار و لیویز فورس کمیٹی کے زیر اہتمام حقوق کے حصول کے لئے احتجاجی دھرنا تیسرے روز بھی جاری تھا۔تفصیلات کے مطابق جمرود باب خیبر کے مقام پر آل فاٹا سابقہ خاصہ دار و لیویز فورس کمیٹی کے زیر اہتمام حقوق کے حصول کے لئے تیسرے روز بھی احتجاجی کیمپ جاری رہا جس میں تمام قبائلی اضلاع سمیت ایف آر ز سے تعلق رکھنے والے قبائلی پولیس کے بڑے عہدیداروں سمیت پولیس اہلکاروں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ احتجاجی دھرنے سے اپنے خطاب میں آل فاٹا سابقہ خاصہ دار و لیویز فورس کمیٹی کے چیئرمین سید جلال وزیر، ڈی ایس پی ایاز خان، حبیب اللہ، سوالزرخان، مظہر آفریدی اور دیگر نے کہا کہ آئی جی خیبر پختونخوا قبائلی اضلاع میں سپرنٹنڈنٹ پولیس (ایس پی) بھیجنے کا آرڈر واپس لیں۔

سی ٹی ڈی، سپیشل برانچ، ایلیٹ فورس وایف آر پی بھیجے گئے تمام قبائلی اضلاع کے پولیس اہلکاروں کو واپس اپنے اضلاع بھیجا جائے کیونکہ قبائلی اضلاع کی پولیس، سی ڈی ٹی، ایلیٹ فورس وایف آر پی اپنی ذمہ داریاں خود نبھا سکتے ہیں۔

احتجاجی دھرنا کے شرکاء نے کہا کہ قبائلی اضلاع کے سابقہ لیویز وخاصہ دار فورس ایک تربیت یافتہ فورس ہے جنہوں نے سخت و کٹھن حالات میں اپنے فرائض بہترین طریقے سے سرانجام دیے ہیں۔ان کا کہنا تھا کہ جب ڈیوٹی وقربانی کا وقت آتا ہے تو سابقہ خاصہ دار و لیویز فورس کو آواز دی جاتی ہے مگر جب بات حقوق کی آتی ہے تو پھر انہیں غیر تعلیم یافتہ اور غیر تربیت یافتہ قرار دیا جاتا ہے جو کہ منافقانہ رویہ ہے۔انہوں نے وفاقی وصوبائی حکومت اور تمام متعلقہ عہدیداروں سے کہا کہ ہمارے جائز مطالبات پورے کیے جائیں۔

(منظور آفریدی)

پولیس نے 21 ہاری بازیاب کیے

عمرکوٹ ضلعی عدالت عمرکوٹ کے حکم پر پولیس نے 19 مئی کو ایک زرعی کھیت پر چھاپہ مار کر 21 ہاری بازیاب کیے جن سے جبری مشقت لی جا رہی تھی۔ بازیاب ہونے والوں میں پانچ مرد، پانچ عورتیں اور 11 بچے شامل تھے۔ کرمشی کولہی نے عدالت میں درخواست دائر کی تھی جس کی سماعت کرتے ہوئے عدالت نے پولیس کو حکم دیا تھا کہ جبری مشقت کے شکار لوگوں کو جلد از جلد بازیاب کیا جائے۔ ہاریوں کو بازیاب کر کے عدالت پیش کیا گیا جس نے انہیں آزادانہ زندگی بسر کرنے کی اجازت دی۔

(نامہ نگار)

جبری گمشدگیاں

ناروے بلوچ یکجہتی کمیٹی کی رہنماء ڈاکٹر ماہ رنگ بلوچ ناروے میں PEN ناروے، ورلڈ ایکسپریشن فورم، اور یوٹیا آئی لینڈ کی جانب سے بین الاقوامی سطح پر منعقد تین روزہ سیمینار میں شریک ہیں۔سیمینار کے پہلے روز ڈاکٹر ماہ رنگ بلوچ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ڈاکٹر ماہ رنگ بلوچ نے کہا کہ ''ان گذشتہ دو دہائیوں کے دوران، انسداد بغاوت کی کارروائیوں اور امن کے نام پر، بلوچ نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد، جن میں زیادہ تر طالب علم، انجینئر، ڈاکٹر، سیاسی کارکن اور صحافی ہیں، کو پاکستانی سیکورٹی فورسز نے جبری طور پر لاپتہ کردیا ہے۔'' ڈاکٹر ماہ رنگ بلوچ نے لاپتہ ہونے والوں کی صحیح تعداد کا تعین کرنے میں دشواری پر روشنی ڈالی۔انہوں نے کہا کہ ریاست نے اقوام متحدہ یا ایمنسٹی انٹرنیشنل جیسے بین الاقوامی گروپوں کو اس انسانی المیے کی تحقیقات کی اجازت نہیں دی۔انہوں نے مزید کہا'' جب مقامی کارکنوں اور حقوق کے گروپوں نے تعداد کو دستاویزی شکل دینے یا اپنی آواز بلند کرنے کی کوشش کی تو وہ خود غائب ہو گئے۔''بلوچستان میں کیا ہو رہا ہے اس کی تحقیق کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے بی وائی سی رہنماء نے اپنے ذاتی تجربات بتاتے ہوئے کہا'' میں 10 سال سے زائد عرصے سے جبری گمشدگیوں کے خلاف مہم چلا رہی ہوں کیونکہ جب میں نوعمر تھی تو خود جبری گمشدگیوں سے متاثر ہوئی''۔انہوں نے کہا کہ میرے والد کو پاکستانی ریاست کی ایجنسیوں نے جبری لاپتہ کردیا تھا اور 2011 میں ان کی گولیوں سے چھلنی لاش ملی تھی۔انہوں نے کہا کہ میرے چھوٹے بھائی کو 2017 میں لاپتہ کیا لیکن تین ماہ تک بلوچستان میں مہم چلانے اور مظاہرے کے بعد اسے رہا کردیا گیا تھا۔ڈاکٹر ماہ رنگ نے مزید کہا کہ ان کا کیس غیر معمولی نہیں ہے۔انہوں نے کہا کہ'' مجھ جیسی سینکڑوں نوجوان عورتیں ہیں۔ آج میں کم از کم یہ جانتی ہوں کہ میں یتیم ہوں اور میری ماں بیوہ ہے۔لیکن سینکڑوں بچے، نوعمر اور نوجوان ایسے ہیں جن کے باپ، چچا یا بھائی لاپتہ ہیں۔ہفتوں، مہینوں اور کچھ بدترین صورتوں میں سالوں، اور وہ نہیں جانتے کہ ان کے پیارے زندہ ہیں یا نہیں۔''انہوں نے کہا کہ ہماری مہم کے مطالبات میں یہ شامل ہیں کہ پاکستان کی سپریم کورٹ، پارلیمنٹ اور سیکیورٹی فورسز جبری لاپتہ افراد کی رہائی یقینی بنائیں یا کم از کم انہیں کسی عدالت میں پیش کریں۔ماہ رنگ بلوچ نے کہا کہ پاکستانی حکام ان کے مسائل پر توجہ دینے کی بجائے تشدد کا سہارا لے رہے ہیں۔انہوں نے دسمبر میں ایک ماہ سے زائد عرصے تک 1,600 کلومیٹر پیدل مارچ کرنے اور بچوں اور خواتین کے ساتھ ایک سرد شام کو اسلام آباد پہنچنے کا ذکر کیا، جہاں انہیں پولیس کی طرف سے لاٹھی چارج، تذلیل اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔انہوں نے بتایا کہ کنٹرولڈ میڈیا کو ان کے خلاف بدنیتی پر مبنی مہم چلانے کے لیے استعمال کیا گیا۔سوشل میڈیا پر ریاستی حمایت یافتہ اکاؤنٹس کے ذریعے ان کے ساتھ بدسلوکی اور ٹرول کیا گیا۔صحافیوں کو ڈرایا دھمکایا گیا اور انہیں میڈیا کوریج دینے سے روک دیا گیا، اور سول سوسائٹی کو دباؤ کا سامنا کرنا پڑا۔ماہ رنگ بلوچ نے بتایا کہ پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں نے لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ ان کی پرامن تحریک کا حصہ نہ بنیں۔اسلام آباد میں نیشنل پریس کلب کے باہر احتجاجی کیمپ لگانے کے باوجود میڈیا نے انہیں نظرانداز کیا۔انہوں نے کہا کہ بلوچستان میں امن کی بحالی کے لیے ان کی پرامن جدوجہد جاری رہے گی اور اسے بنیادی انسانی حقوق اور انسانیت پر یقین رکھنے والے تمام گروہوں اور لوگوں کی حمایت اور یکجہتی کی ضرورت ہے۔ ماہ رنگ بلوچ نے PEN ناروے، خاص طور پر Urogen، جو PEN کے سیکرٹری جنرل بھی ہیں، سے اپنی کہانیوں اور تجربات کو شیئر کرنے کے لیے پلیٹ فارم فراہم کرنے پر شکریہ ادا کیا۔انہوں نے فخر سے کہا کہ ہماری کہانی ہمارے ملک میں نہیں سنی گئی مگر آج ساری دنیا سن رہی ہے۔

(دی بلوچستان پوسٹ)

بچے سے جنسی زیادتی کی کوشش

میانوالی درج شدہ شدہ ایف آئی آر کے مطابق غزالی اسکول مہارنوالہ کے پرنسپل محمد اختر سکنہ موچھ نے اسکول سے چھٹی کے بعد کلاس ہفتم کے تیرہ سالہ بچے کو جنسی زیادتی کا نشانہ بنانے کی کوشش کی۔ بچے کے رونے اور شور مچانے پر ملزم فرار ہو گیا۔پولیس کو اطلاع کے بعد ملزم گرفتار کرلیا گیا تھا۔

(محمد رفیق)

تعلیمی سہولیات کی فراہمی کا مطالبہ

نوشکی ڈگری کالج نوشکی ضلع کا سب سے بڑا تعلیمی ادارہ ہے۔ 1976 میں ڈگری کالج کی عمارت کی تعمیر عمل میں لائی گئی۔ ناقص تعمیراتی کام کی وجہ سے عمارت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اور کھنڈرات کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ کالج عمارت کی دیواروں میں بڑی دراڑیں پڑ چکی ہیں۔ ڈگری کالج میں 1400 سو سے زائد طالب علم زیر تعلیم ہیں۔ اگر صوبائی حکومت نے



کالج کی عمارت کی زبوں حالی پر توجہ نہیں دی تو عمارت کسی وقت گر کر بڑے سانحہ کا سبب بن سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کالج میں سپرنٹنڈنٹ، مختلف مضامین کے لیکچرارز اور کلریکل اسٹاف کی 48 آسامیاں خالی ہیں۔ جس سے ڈگری کالج نوشکی میں زیر تعلیم ہزاروں طلباء کا مستقبل داو پر لگا ہوا ہے۔ انتظامی امور کے سلسلہ میں کالج کے پرنسپل، اسٹاف اور طلباء کو انتہائی مشکلات اور دشواریوں کا سامنا پڑتا ہے۔ انٹرنیٹ سروسز کا مؤثر نظام موجود نہیں۔ ٹرانسپورٹ کی کمی کے باعث اساتذہ اکرم اور طلباء کو انتہائی مشکلات اور وقت کے ضیاع کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ڈگری کالج میں کنٹین کی سہولت نہ ہونے سے ریفریشمنٹ کے لیے اساتذہ اکرم اور طلباء کو مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

ان تمام مشکلات وضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے کالج نئے اکیڈمک بلاک کی تعمیر ترجیحی بنیادوں پر عمل میں لائی جائے۔ نوشکی میں اکیڈمک عمارت کے لیے 500 میلین کی لاگت سے عمارت کی تعمیر کے لیے منصوبے کو پی ایس ڈی میں شامل کیا گیا ہے۔

اب عوامی نمائندے پی ایس ڈی پی میں شامل اس منصوبے کو منظور کرانے کے لیے اپنا موثر کردار ادا کریں۔ علاوہ ازیں، ضلع نوشکی کے تعلیمی اداروں میں 190 ایس ایس ٹیز سمیت 410 مختلف آسامیاں کئی عرصہ سے خالی ہیں۔ ضلع کے 70 فیصد تعلیمی اداروں میں بنیادی سہولیات کا فقدان ہے۔ تعلیمی اداروں میں کھیلوں کے میدان تک نہیں ہیں۔ بلوچستان میں تعلیمی ادارے زبوں حالی سے دوچار ہیں اور تعلیمی معیار بری متاثر ہو رہا ہے جس سے بلوچستان کے نوجوانوں کا مستقبل سوالیہ نشان بن رہا ہے۔ (محمد سعید بلوچ)

وزیرستان میں لڑکیوں کے سکول پر حملے کی کڑی مذمت

وزیرستان یونیسف کا کہنا ہے کہ سکولوں کو سیکھنے کی محفوظ جگہ ہونا چاہیے۔

اقوام متحدہ کے ادارہ برائے اطفال (یونیسف) نے پاکستان کے علاقے شمالی وزیرستان میں لڑکیوں کے سکول پر حملے کی سختی سے مذمت کرتے ہوئے اسے بزدلانہ اقدام قرار دیا ہے۔



یونیسف کا کہنا ہے کہ یہ حملہ باصلاحیت لڑکیوں کے مستقبل کو خطرے میں ڈالنے کی کوشش ہے۔

شمالی وزیرستان کی تحصیل شیواہ میں ایک نجی سکول پر ہونے والے اس حملے میں دھماکہ خیز مواد استعمال کیا گیا جس سے اس کی عمارت کو بری طرح نقصان پہنچا۔ یہ اس علاقے میں لڑکیوں کا واحد سکول ہے۔

پاکستان میں یونیسف کے نمائندے عبداللہ فاضل نے کہا ہے کہ یہ واقعہ ایسے وقت پیش آیا ہے جب وزیراعظم شہباز شریف نے ملک میں تعلیمی ایمرجنسی کے نفاذ کا اعلان کیا ہے۔ اس اقدام کے تحت ملک بھر میں 26 ملین ایسے بچوں کو تعلیم دلائی جائے گی جو تاحال سکولوں تک رسائی سے محروم ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ ایک دور دراز اور غریب علاقے میں لڑکیوں کے سکول کی تباہی ملکی ترقی کے خلاف وحشیانہ جرم کے مترادف ہے۔ سکولوں کو سیکھنے کی محفوظ جگہ ہونا چاہیے جہاں بچے اور نوعمر افراد صحت مند ماحول میں علم حاصل کر سکیں۔

عبداللہ فاضل نے کہا ہے کہ یونیسف اور حکومت پاکستان کے دیگر ترقیاتی شراکت دار ہر جگہ تمام لڑکوں اور لڑکیوں کے حصول تعلیم کے بنیادی حق کو تحفظ دینے کے لیے پُرعزم ہیں۔ (بشکریہ وائس آف امریکہ / یو این خبرنامہ)

لیڈی نرس کی غیر قانونی گرفتاری کے خلاف احتجاج

مہمند ضلع مہمند میں رات 10 بجے لیڈی پولیس اور سول کپڑوں میں ملبوس سرکاری اہلکار ڈی ایچ کیو اسپتال سے ایک سینئر خاتون نرس کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ اگرچہ خاتون کو دو گھنٹے کی تفتیش کے بعد رہا کر دیا گیا تاہم اس غیر قانونی طریقہ کار پر اسپتال سٹاف ہڑتال پر ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ خاتون نرس سے کرونا دور کی کچھ بے قاعدگیوں کے بارے میں تفتیش کی گئی۔ مگر مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ خاتون کو ایک اہلکار نے ذاتی مخاصمت پر گرفتار کروایا تھا کیونکہ اس اہلکار کو صبح وارڈ کے اندر جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ مقامی باشندے اس واقعے پر شدید ردعمل کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دور دراز پسماندہ علاقے میں ڈیوٹی پر موجود خاتون نرس کو اٹھا کر لے جانے کی بجائے اسپتال ہی میں باقاعدہ مناسب طریقہ کار کے مطابق اگر تفتیش کی جاتی تو اس میں کیا قباحت تھی؟ کیا یہاں تعینات اہلکاروں کو قبائلی اضلاع میں خواتین ملازمین کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آنے کا علم نہیں ہے؟ انہوں نے معاملے کو افہام وتفہیم اور خوش اسلوبی کے ساتھ نمٹانے کا مطالبہ کیا ہے۔ (منظور آفریدی)

سکول میں گھس کر تشدد کا نشانہ بنایا

نوشکی 9 مئی کو صبح کے ساڑھے نو بجے کے قریب شاہ فیصل اور اس کے ساتھیوں نے جنکی تعداد 10 بتائی جاتی ہے پاک ایران قومی شاہراہ پر واقع احمد وال میں نور پبلک اسکول کی دیوار پھلانگ کر سکول میں داخل ہوئے۔ مسلح افراد نے خواتین اساتذہ اور بچوں کے سامنے اسکول کے ایگزیکیٹو ڈائریکٹر وحید عامر بلوچ کو تشدد کا نشانہ بنایا جس وہ بری طرح زخمی ہو کر بے ہوش ہو گئے۔ خوف کی وجہ سے دو بچے بھی بے ہوش ہو گئے۔ ملزمان نے اسکول میں نصب سی سی ڈی وی کیمرے بھی توڑ دیے اور فرار ہو گئے۔ اس واقعہ کے خلاف اسکول کے اساتذہ خواتین اور طلباء نے بطور احتجاج احمد وال لیویز تھانہ کے قریب پاک ایران قومی شاہراہ این 40 پر رکاوٹیں ڈال کر شاہراہ بند کر دی۔ اسٹنٹ کمشنر نوشکی نے مظاہرین سے مذاکرات کیے۔ ملزمان کی گرفتاری اور اسکول میں سیکیورٹی کے لیے لیویز اہلکار کی تعیناتی کی یقین دہانی پر 8 بجے ہڑتال ختم کر کے ٹریفک بحال کر دی گئی۔ لیویز کے مطابق تنازعہ کی وجہ اراضی کا مسئلہ ہے۔ ملزمان کے خلاف ایف آئی آر درج کر دیا گیا ہے۔ ملزمان کی گرفتاری کے لئے چھاپے بھی مارے جا رہے ہیں۔ علمی و ادبی حلقوں نے اس واقعہ کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے ملزمان کی گرفتاری اور واقعہ کی غیر جانبدار تحقیقات کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے اس واقعہ کو علم دشمنی عمل قرار دیا ہے۔ (محمد سعید بلوچ)

افسوس اس ظلم پر



تیراہ تیراہ راجگل کوکی خیل متاثرین گاڑیوں پر سبز ہلالی پرچم لگائے اپنے آبائی علاقے تیراہ جارہے ہیں مگر اس ملک و سبز ہلالی پرچم کے محافظین پر امن تیراہ راجگل کوکی خیل متاثرین کو اپنے آبائی علاقے جانے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں اور راستے میں خار دار بچھا کر متاثرین کو روک لیا ہے اور ایسے مناظر ایکو صرف قبائلی اضلاع میں دیکھائی دینگے۔ نہ تو ان متاثرین نے کشمیریوں کی طرح پاکستان مردہ باد یا افواج مردہ باد کا نعرہ لگایا ہے اور نہ ہی آئین پاکستان سے انحراف کیا ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی قبائلی عوام (کوکی خیل متاثرین) کا یہ حال ہے کہ انکو اپنے آبائی علاقے جانے کی اجازت نہیں دی جارہی ہے۔ (منظور آفریدی)

اپنے علاقوں میں واپسی کا مطالبہ

تیراہ باڑہ، وادی تیراہ میں حال ہی میں سیکورٹی آپریشن کی وجہ سے نقل مکانی کرنے والے چار قبیلوں کے نمائندہ مشران نے باڑہ پریس کلب کے سامنے احتجاجی مظاہرہ اور پریس کانفرنس کرتے ہوئے حکومت سے فوری اپنے علاقوں میں واپسی اور آپریشن کے باعث ہونے والے نقصانات کا ازالہ کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔

متاثرین کے مشران کیپٹن ریٹائرڈ محمد طاہر، اقبال آفریدی، خان ولی آفریدی اور تیراہ کے متاثرہ آفریدی اقوام کے علاقوں باغرے، درے نغاری، سنڈاپال، غلام علی، کنڈاو کلے، میادادکم، جڑوبی، دوہ خولے اور دروٹہ کے درجن بھر متاثرین نے اپنے مطالبات تسلیم نہ کرنے پر حکومت کو خبردار کیا ہے کہ اگر ان کے ساتھ کئے گئے وعدے پورے نہیں کئے تو وہ تیراہ تور درہ سیکورٹی کیمپ کے سامنے خیمہ زن ہو کر شدید احتجاج کریں گے۔

مشران کا کہنا تھا کہ گزشتہ سال دسمبر میں شروع ہونے والا شدت پسندوں کے خلاف آپریشن محض ایک ڈرامہ ہے اور چند دنوں کے سیکورٹی آپریشن کے بہانے تین سو سے زائد خاندانوں کو ان کے علاقوں سے نکالا گیا جو گزشتہ چھ ماہ سے کھنڈرات اور پھٹے پرانے خیموں میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ (مسعود شاہ)

پاسپورٹ کی شرط پر ڈیڈلاک برقرار

چمن حکومت کی جانب سے سرحد پار کرنے کے لیے پاسپورٹ کی شرط کے خلاف پاک افغان سرحدی شہر چمن میں ایف سی قلعہ کے سامنے آل پارٹیز، تاجر اور لغڑی اتحاد کے دھرنے کو 7 ماہ مکمل ہو گئے ہیں، تاہم معاملات اب تک حل نہیں ہوسکے۔

چمن میں آل پارٹیز، تاجر اور لغڑی اتحاد کا دھرنا ملکی تاریخ کے طویل ترین دھرنوں کی فہرست میں شامل ہو چکا ہے۔

مظاہرین نے اپنے احتجاج میں شدت لاتے ہوئے 4 ماہ سے پاک-افغان ٹرانزٹ تجارت کو معطل کیا ہوا ہے جبکہ بین الاقوامی تجارتی شاہراہ پر بھی کوژک ٹاپ کے مقام پر گزشتہ 15 روز سے آمدورفت معطل ہے جس کے باعث خوراک کی فراہمی کے علاوہ ہر قسم کی تجارت مکمل طور پر بند ہو چکی ہے۔

مظاہرین کا مطالبہ ہے کہ چمن اور سپین بولدک کے درمیان پاسپورٹ کی نئی شرط کو ختم کیا جائے۔ کیونکہ چمن پاک افغان بارڈر پر آس پاس پر ایک ہی قوم آباد ہے۔ جس کے کاروبار، زمینیں، کاشت کاریاں اور رشتے مشترک ہیں۔ چمن کے بیس ہزار سے تیس ہزار تک شہری روزانہ کی بنیاد پر بارڈر پر آمدورفت کرتے تھے لیکن حالیہ حکومتی فیصلے نے مقامی لوگوں کی زندگیاں اجیرن بنادی ہیں اور نوجوان طبقہ خودکشی پر مجبور ہو چکا ہے۔

دوسری جانب حکومت کا مؤقف ہے کہ پاسپورٹ کی شرط کو کسی صورت ختم نہیں کیا جائے گا کیونکہ افغان سرزمین پاکستان کے خلاف دہشت گردی میں استعمال ہو رہی ہے۔ تاہم معاملات کو حل کرنے کے لیے حکومت اور آل پارٹیز، تاجر اور لغڑی اتحاد کے درمیان کئی مذاکراتی نشستیں ہو چکی ہیں جو اب تک بے معنی ثابت ہوئی ہیں۔

ایسے میں آل پارٹیز، تاجر اور لغڑی اتحاد کے قائدین کا کہنا ہے کہ حکومت کی جانب سے دھرنے کو ختم کروانے کے لیے جبر و تشدد کا راستہ بھی اختیار کیا گیا جس کے باعث 2 افراد جاں بحق اور درجنوں زخمی ہوئے۔ حکومت کی جانب سے عندیہ دیا جارہا ہے کہ چمن میں مظاہرین کے معاملے پر جلد پیش رفت ہونے کا امکان ہے۔ (محمد صدیق مدنی)

اشیائے خوردونوش کی فراہمی کی بندش

چمن آل پارٹیز، تاجر اور لغڑی اتحاد نے احتجاج کرتے ہوئے چمن کوئٹہ شاہراہ گڑنگ کے مقام پر بند کر دی جس کے بعد چمن شہر میں آٹا، سبزیاں، چینی گھی اور دیگر خوردنی اور ضروری اشیاء کی قیمتوں میں دوگنا اضافہ ہو گیا ہے۔ آج کوئٹہ چمن شاہراہ پر بڑی گاڑیوں کی بندش کے بعد چھوٹی گاڑیوں میں چمن تک آٹا لانے پر سیکورٹی فورسز نے غیر اعلانیہ پابندی لگادی۔ آٹا ڈیلروں نے بتایا کہ سیکورٹی فورسز نے آٹا ڈیلروں سے این او سی طلب کر لی ہے جس سے آٹا ڈیلروں اور صارفین میں سخت تشویش پھیل گئی ہے۔ انہوں نے سیکورٹی فورسز کے افسران بالا اور ڈپٹی کمشنر سے مطالبہ کیا ہے کہ شہر میں احتجاج کے باعث مختلف خوردنی اشیاء کی قلت پیدا ہو گئی ہے جس کا فوری نوٹس لیا جائے۔ (محمد صدیق مدنی)

اسرائیلی جارحیت کے خلاف طالب علموں کا احتجاج

ٹنڈو محمد خان اسرائیلی جارحیت اور مظلوم فلسطینیوں سے اظہار یکجہتی کے لیئے ٹنڈو محمد خان کی نجی میڈیکل یونیورسٹی کے طلباء نے احتجاجی ریلی نکال کر ڈپٹی کمشنر کمپلیکس کے گیٹ پر مظاہرہ کیا ہے اور حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اسرائیلی مظالم کے خلاف اقوام متحدہ میں آواز اٹھائی جائے۔ سینکڑوں طلباء نے مظلوم فلسطینیوں کی حمایت میں اور اسرائیل کی جانب سے غزہ میں انسانیت سوز مظالم کے خلاف یونیورسٹی کیمپس سے احتجاجی ریلی نکال کر ڈپٹی کمشنر کمپلیکس کے گیٹ پر احتجاجی مظاہرہ کیا۔ مظاہرین کے ہاتھوں میں بڑے بڑے بینرز، پلے کارڈ اور فلسطینی پرچم تھے اور وہ اسرائیلی مظالم کے خلاف شدید نعرے بازی کر رہے تھے۔ مظاہرے سے ڈاکٹر شعیب ملک اور دیگر کا کہنا تھا کہ اسرئیلی مظالم سے انسانیت کا سر شرم سے جھکا ہوا ہے۔ انہوں نے حکومت وقت سے مطالبہ کیا کہ فوری طور مظلوم فلسطینیوں پر اسرائیلی مظالم کے خلاف سرکاری سطح پر احتجاج کیا جائے اور تمام ممالک اور انسانی حقوق کے عالمی اداروں کو یکجا کر کے فلسطین پر اسرائیلی بربریت کے خلاف مشترکہ آواز اٹھائی جائے۔

(محمد رمضان شورو)

دیرینہ دشمنی نے دو اور جانیں لے لی

چنیوٹ واقعہ چک نمبر 158 منارہ اڈا تھانہ کوٹ وساوا کے قریب پیش آیا جہاں مخالفین نے اندھا دھند فائرنگ کر کے محمد نواز اور سلیم لک کو فائرنگ کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ فائرنگ کی زد میں آکر باپ بیٹا بھی شدید زخمی ہو گئے۔ ملزمان فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

واقعہ کی اطلاع ملتے ہی ایس پی خالد محمود تبسم تھانہ کوٹ وساوا پولیس کی بھاری نفری کے ہمراہ موقع پر پہنچ گئے۔ لاشوں کو ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال چنیوٹ منتقل کیا جارہا ہے۔

(سیف علی خان)

پنجاب کے ہتک عزت بل پر ویمن ایکشن فورم کا بیان

20 مئی 2024: ویمن ایکشن فورم لاہور نے مجوزہ پنجاب ہتک عزت بل (2024) کی موجودہ شکل کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے ملک بھر میں صحافیوں اور عوام کے لیے اظہار رائے کی آزادی کے لیے ایک شدید خطرہ قرار دیا ہے۔ اس بل پر عوامی آراء کے اظہار کے لیے بہت کم وقت دیا گیا ہے اور اس کا مقصد سخت اقدامات کے ذریعے اختلاف رائے اور تنقید کا راستہ روکنا ہے۔ اس سے حکومت اور سرکاری اداروں پر تنقید کرنا تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔

بل میں "سرکاری عہدیداروں" کے خلاف ہتک عزت کا مقدمہ چلانے پر توجہ مرکوز رکھی گئی ہے جس سے اس کے آمرانہ ایجنڈے کی عکاسی ہوتی ہے، نیز یہ اختلاف رائے کو دبانے اور برسر اقتدار لوگوں کو احتساب سے بچانے کا ایک آسان ذریعہ بھی فراہم کرتا ہے۔ اصل نقصان کے شواہد کی کمی قانون کے معین طریقہ کار کے فقدان کے باعث بے بنیاد اور بدنیتی پر مبنی قانونی کارروائی کی گنجائش فراہم کرتی ہے، جب کہ تیس لاکھ روپے تک کے بے جا جرمانوں کا مقصد ان افراد اور تنظیموں کو خاموش کرانا ہے جو طاقت کے سامنے سچ بولنے کی جرات کرتے ہیں۔

ضلعی عدالتوں کی سماعتوں کو مبہم "ٹریبونلز" سے تبدیل کرنے سے حکومتی مداخلت اور مفادات کے تصادم کو فروغ ملے گا اور شفافیت اور جوابدہی مزید کم ہو جائے گی۔ سوشل میڈیا صارفین کو شامل کرنے کے لیے۔ "صحافیوں" کی تعریف میں توسیع کر کے سوشل میڈیا صارفین کو شامل کرنے کا مقصد آن لائن اختلاف رائے کو خاموش کرنے کے لیے حکومتی رسائی کو بڑھانا ہے، جس سے آزادانہ اظہار کا ایک اہم پلیٹ فارم بری طرح متاثر ہوگا۔

سوشل میڈیا اکاؤنٹس کی ممکنہ بندش سمیت متعدد تعزیری اقدامات بنیادی حقوق اور آزادیوں کی واضح خلاف ورزی کی عکاسی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ دفعات جو خواتین اور اقلیتوں کو قانونی نمائندگی فراہم کرتی ہیں وہ بھی نادانستہ طور پر ان کمزور طبقات کو مزید ہراسانی اور ظلم و ستم کا شکار کر سکتی ہیں۔

ان شدید تحفظات کی روشنی میں، ویمن ایکشن فورم لاہور حکومت پنجاب سے فوری طور پر سول سوسائٹی اور دیگر فریقین کو بل کے مکمل جائزے کے عمل میں شامل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ بل میں موجود واضح خامیوں کو دور کرنے اور پاکستان میں جمہوریت اور آزادی اظہار کے اصولوں کے تحفظ کے لیے فوری مشاورت ناگزیر ہے۔

ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کا مطالبہ

نوشکی نوشکی میں برسوں سے مختلف فلاحی اور عوامی بہبود کے ترقیاتی منصوبے حکومتی اور عوامی نمائندوں کی عدم توجہی کے باعث ادھورے ہیں۔ آر سی ڈی شاہراہ پاک ایران قومی شاہراہ پر ایف سی چیک پوسٹ کے قریب زرعی اسکوٹر مارکیٹ پروجیکٹ کے منصوبے پر 30 فیصد کام کرنے کے بعد گزشتہ 12 سالوں سے منصوبے کی تکمیل کے لیے دوبارہ نہ جانے کن وجوہات کی بنا پر کام شروع نہیں کیا جا رہا ہے۔ زرعی اسکوٹر مارکیٹ کی تکمیل سے نوشکی میں روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے۔ زمین داروں کو زرعی اجناس کی مارکیٹ تک رسائی حاصل ہوگی۔ دوسری جانب ایف سی گیٹ کے قریب انام بوستان روڈ پر واقع منڈی کی منتقلی سے شہر میں ٹریفک کی صورتحال بہتر ہو سکتی ہے۔ مارچ 2018 میں سو ڈیمز پروجیکٹ سے ایک ڈیم حیصار کی تعمیر کا منصوبہ شروع کیا گیا۔ پروجیکٹ پر 70 فیصد کام کے بعد گزشتہ 22 ماہ سے کام بند ہے۔ اسی طرح 2021 میں پاک ایران قومی شاہراہ پر زیارت دستگیر کراس کے قریب سپورٹس کمپلیکس کے دونوں اطراف سے چار دیواری کی تعمیر کے بعد سپورٹس کمپلیکس کا منصوبہ تکمیل کا منتظر ہے۔ نوشکی کے عوام کو صحت کی بہتر سہولیات کے فراہمی کے لیے حکومت بلوچستان نے 2012 میں 15 کروڑ روپے کی کثیر لاگت سے سرکٹ ہاؤس سے متصل کرکٹ اسٹیڈیم کے بالمقابل 50 بستروں پر مشتمل ہسپتال کی منظوری دی۔ 2013 میں ہسپتال کی تعمیر کا منصوبہ شروع کیا گیا۔ 2015 میں منصوبے پر کام روک دیا گیا۔ گزشتہ 10 سالوں سے منصوبہ التوا کا شکار ہے۔ نوشکی سے تعلق رکھنے والے ایڈووکیٹ محمد آصف بڑیچ نے اس منصوبے میں تاخیر پر دلچسپی لیتے ہوئے 2022 میں ایک آئینی پٹیشن عدالت عالیہ ہائی کورٹ میں دائر کی آئینی درخواست دو سال سے مختلف مراحل سے گزری۔ نوشکی میں 50 بستروں پر مشتمل ہسپتال کی تکمیل کے لیے احکامات صادر ہوئے۔ اپریل 2024 میں پروجیکٹ کو ری ٹینڈر کر کے منصوبہ پر دوبارہ کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اس طرح نوشکی سے تعلق رکھنے والے ایڈووکیٹ محمد آصف بڑیچ کی کاوشیں رنگ لائیں۔ نوشکی میں مذکورہ ترقیاتی منصوبے قومی شاہراہ پر واقع ہیں لیکن نہ جانے وہ کونسی وجوہات ہیں کہ حکام اور منتخب عوامی نمائندے خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ (محمد سعید بلوچ)

اساتذہ کے مسائل حل کیے جائیں

چمن گورنمنٹ ٹیچرز ایسوسی ایشن آئینی ضلع چمن کے ضلعی صدر فضل محمد کاکوزئی نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے نمائندے کو بتایا کہ پرائمری تعلیم میں پرائمری اساتذہ کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ جے۔ وی اساتذہ محکمہ تعلیم میں بنیادی اکائی تصور ہوتے ہیں۔ جب طلبہ پہلی کلاس میں داخل ہوتے ہیں تو وہ قلم کو پکڑنا بھی نہیں جانتے۔ جے۔ وی ٹیچرز ان طالب علموں کی ذہنی، جسمانی اور اخلاقی نشوونما کر کے ان میں مزید تعلیم حاصل کرنے کی جستجو پیدا کرتے ہیں اور یہی طالب علم بڑے ہو کر ملک و قوم کی خدمت کرتے ہیں۔ جے۔ وی ٹیچرز کے بنیادی مسائل جو حل طلب ہیں انکی نشاندہی کرنا لازمی ہے۔

1. ترقی: جے۔ وی ٹیچرز کا 50 فیصد پروموشن بطور ایس۔ ایس ٹی جو کہ 2006 سے محکمانہ طور منظور شدہ ہے۔ اس کو 17 سال گزر گئے مگر آج تک اس پر عملدرآمد نہیں ہو سکا حکومت وقت کو چاہیے کہ اس اہم مسئلے کو فوری حل کرے۔
2. ٹیچنگ الاونس: اس وقت جو جے۔ وی ٹیچرز کو ٹیچنگ الاونس مل رہا ہے وہ 500 روپے ہے جو 2006 سے پہلے کا منظور شدہ ہے۔ آج تک اس میں اضافہ نہیں ہو سکا۔ اس دور میں اساتذہ کا کم از کم ٹیچنگ الاونس تقریباً 10000 ہونا چاہیے۔
3. ہاؤس رینٹ الاونس: موجودہ دور میں جے۔ وی اساتذہ کرام کو جو ہاؤس رینٹ الاونس مل رہا ہے وہ تقریباً 2200 روپے ہے۔ اس الاؤنس میں بھی اضافہ لازمی ہونا چاہیے۔
4. میڈیکل الاؤنس: جے۔ وی ٹیچرز بلوچستان کو اس وقت جو میڈیکل الاونس مل رہا ہے وہ 1500 روپے ہے جو کہ انتہائی کم ہے۔
5. ٹرانسپورٹ الاؤنس: ٹرانسپورٹ الاونس کی مد میں ایک جے۔ وی ٹیچرز کو تقریباً 2800 روپے ملتے ہیں۔ ٹرانسپورٹ الاؤنس جو کہ 2014 سے پہلے کا منظور شدہ ہے اس میں اضافہ نہایت ضروری ہے۔ حکومت وقت سے گزارش ہے کہ وہ بجٹ میں اساتذہ کرام کی مراعات میں خاطر خواہ اضافہ کرے تا کہ ایک معلم اپنی زندگی اچھے طریقے سے گزار سکے۔ (محمد صدیق مدنی)

انسانی حقوق کے عالمی دن

جنوری

27جنوری ہولوکاسٹ کے متاثرین کی یاد میں دعائیہ تقریب کا عالمی دن

فروری

4فروری کینسر کا عالمی دن

6فروری خواتین کے تولیدی اعضاء کو کاٹنے کی ممانعت کا عالمی دن

13فروری ریڈیو کا عالمی دن (یونیسکو)

20فروری سماجی انصاف کا عالمی دن

21فروری مادری زبان کا عالمی دن (یونیسکو)

مارچ

یکم مارچ امتیاز کے خاتمے کا دن (یواین ایڈز)

3مارچ جنگلی حیات کا عالمی دن

8مارچ خواتین کا عالمی دن

15مارچ اسلاموفوبیا کے خلاف قرارداد

15مارچ صارفین کے حقوق کا عالمی دن

20مارچ خوشی کا عالمی دن

21مارچ نسلی امتیاز کے خاتمے کا عالمی دن

21مارچ شاعری کا عالمی دن (یونیسکو)

21مارچ نوروز کا عالمی دن

21مارچ پیدائشی ذہنی معذوری کا عالمی دن

21مارچ جنگلات اور درخت کا عالمی دن

22مارچ پانی کا عالمی دن

23مارچ موسمیات کا عالمی دن (ڈبلیو ایم او)

24مارچ تپ دق کا عالمی دن

24مارچ انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزیوں سے متعلق حقائق کو
جاننے کے حق اور متاثرین کی عزت نفس کا عالمی دن

25مارچ غلامی اور غلاموں کی سمندر پار تجارت کے متاثرین کی یاد
منانے کا عالمی دن

25مارچ عملے کے زیر حراست اور لاپتہ اراکین سے اظہار یکجہتی کا عالمی دن

اپریل

2اپریل خود فکری سے آگاہی کا عالمی دن

4اپریل کانوں سے متعلق آگاہی اور کانوں سے
متعلقہ کارروائیوں میں معاونت کا عالمی دن

6اپریل ترقی اور امن کے لیے کھیل کا عالمی دن

7اپریل روانڈا کے قتل عام کے متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن

7اپریل صحت کا عالمی دن (ڈبلیو ایچ او)

12اپریل خلا میں انسانی پرواز کا عالمی دن

22اپریل مادر ارض کا عالمی دن

23اپریل کتاب اور حق اشاعت کا عالمی دن

23اپریل انگریزی زبان کا عالمی دن

25اپریل ملیریا کا عالمی دن۔ (ڈبلیو ایچ او)

26اپریل ایجاد کے حقوق کا عالمی دن (ویپو)

28اپریل دوران ملازمت سلامتی اور صحت کا عالمی دن

29اپریل کیمیائی جنگ کے تمام متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن

30اپریل جاز (موسیقی) کا عالمی دن

مئی

3 مئی آزادی صحافت کا عالمی دن

9-8 مئی دوسری جنگ عظیم میں جاں بحق ہونے والے
افراد کو یاد کرنے اور ان سے یکجہتی کا دن

11-10 مئی نقل مکانی کرنے والے پرندوں کا عالمی دن (یواین ای پی)

13 مئی ''ویساک'' پورے چاند کا عالمی دن

15 مئی کنبوں کا عالمی دن

17 مئی ٹیلی مواصلات اور معلوماتی اداروں کا عالمی دن (آئی ٹی یو)

21 مئی بحث مباحث اور ترقی کے لیے ثقافتی تنوع کا عالمی دن

22 مئی حیاتیاتی تنوع کا عالمی دن

23 مئی زچگی کے دوران پیدا ہونے والے گھاؤ کے خاتمے کا عالمی دن

29 مئی اقوام متحدہ کے امن فوجی دستوں کا عالمی دن

31 مئی تمباکو نوشی کی ممانعت کا عالمی دن

جون

یکم جون والدین کا عالمی دن

4جون جارحیت سے متاثرہ معصوم بچوں کا عالمی دن

5جون ماحول کا عالمی دن (یواین ای پی)

8جون سمندروں کا عالمی دن

12جون چائلڈ لیبر کے خلاف عالمی دن

14جون خون کا عطیہ دینے والوں کا عالمی دن (ڈبلیو ایچ او)

15جون بزرگوں سے ناروا سلوک سے آگاہی کا عالمی دن

17جون زمین کے صحرا بُردہونے اور خشک سالی پر قابو پانے کا عالمی دن

20جون مہاجرین کا عالمی دن

23جون اقوام متحدہ کا خدمات عامہ کا دن

23جون بیواؤں کا عالمی دن

25جون ملاحوں کا عالمی دن (آئی ایم او)

26جون ادویات کے غلط استعمال اور
غیر قانونی نقل وحمل کے خلاف عالمی دن

26جون تشدد کے متاثرین کی حمایت میں اقوام متحدہ کا عالمی دن

جولائی

5جولائی تعاون کنندگان کا عالمی دن (جولائی کا پہلا ہفتہ)

11جولائی آبادی کا عالمی دن

18جولائی نیلسن منڈیلا کا عالمی دن

28جولائی ہیپاٹائٹس کا عالمی دن (ڈبلیو ایچ او)

30جولائی دوستی کا عالمی دن

30جولائی انسانی سمگلنگ کے خلاف عالمی دن

اگست

9اگست دنیا بھر کے مقامی افراد کا عالمی دن

12اگست نوجوانوں کا عالمی دن

19اگست انسانیت پسندی کا عالمی دن

23اگست غلاموں کی تجارت کی یاد آوری اور
اس کے خاتمے کا عالمی دن (یونیسکو)

29اگست جوہری تجربات کے خلاف عالمی دن

30اگست جبری گمشدگیوں کے متاثرین کا عالمی دن

ستمبر

5 ستمبر خیرات کا عالمی دن

8 ستمبر خواندگی کا عالمی دن (یونیسکو)

12 ستمبر اقوام متحدہ کا جنوب۔جنوب اشتراک کا دن

15 ستمبر جمہوریت کا عالمی دن

16 ستمبر اوزون کی تہہ کے تحفظ کا عالمی دن

21 ستمبر امن کا عالمی دن

25 ستمبر ساحلی علاقوں کا عالمی دن (ستمبر کا آخری ہفتہ)

26 ستمبر جوہری ہتھیاروں کے مکمل خاتمے کا عالمی دن

27 ستمبر سیاحت کا عالمی دن (یواین ڈبلیو ٹی او)

اکتوبر

یکم اکتوبر معمر افراد کا عالمی دن

2اکتوبر عدم تشدد کا عالمی دن

5اکتوبر اساتذہ کا عالمی دن (یونیسکو)

6اکتوبر جائے پیدائش کا عالمی دن (اکتوبر کا پہلا سوموار)

9اکتوبر ڈاک کا عالمی دن

11اکتوبر بچیوں کا عالمی دن

13اکتوبر آفات میں کمی کا عالمی دن

15اکتوبر دیہی خواتین کا عالمی دن

16اکتوبر خوراک کا عالمی دن (ایف اے او)

17اکتوبر غربت کے خاتمے کا عالمی دن

24اکتوبر اقوام متحدہ کا دن

24اکتوبر ترقی سے متعلق معلومات کا عالمی دن

27اکتوبر سماعتی وبصری ورثے کا عالمی دن (یونیسکو)

نومبر

2نومبر صحافیوں کے خلاف جرائم کے حوالے
سے سزا سے استثنیٰ کے خاتمے کا عالمی دن

6نومبر جنگ اور مسلح تنازعات کے دوران ماحول کو
نقصان پہنچانے کی ممانعت کا عالمی دن

10نومبر امن اور ترقی کے لیے سائنس کا عالمی دن

14نومبر ذیابیطس کا عالمی دن

16نومبر رواداری کا عالمی دن

16نومبر ٹریفک حادثات کے متاثرین کی یاد منانے کا عالمی دن
(نومبر کا تیسرا اتوار)

19نومبر بیت الخلاء کا عالمی دن

20نومبر بچوں کا عالمی دن

20نومبر فلسفے کا عالمی دن (نومبر کی تیسری جمعرات)

21نومبر ٹیلی ویژن کا عالمی دن

22نومبر صنعت کاری کا عالمی دن

25نومبر خواتین کے خلاف تشدد کے خاتمے کا عالمی دن

29نومبر فلسطینی عوام سے اظہار یکجہتی کا عالمی دن

دسمبر

یکم دسمبر ایڈز کا عالمی دن

2دسمبر غلامی کے خاتمے کا عالمی دن

3دسمبر معذور افراد کا عالمی دن

5دسمبر معاشی اور سماجی ترقی کے لیے رضا کاروں کا عالمی دن

5دسمبر زرعی زمین کا عالمی دن

7دسمبر شہری ہوابازی کا عالمی دن

9دسمبر بدعنوانی کے انسداد کا عالمی دن

10دسمبر انسانی حقوق کا عالمی دن

11دسمبر پہاڑوں کا عالمی دن

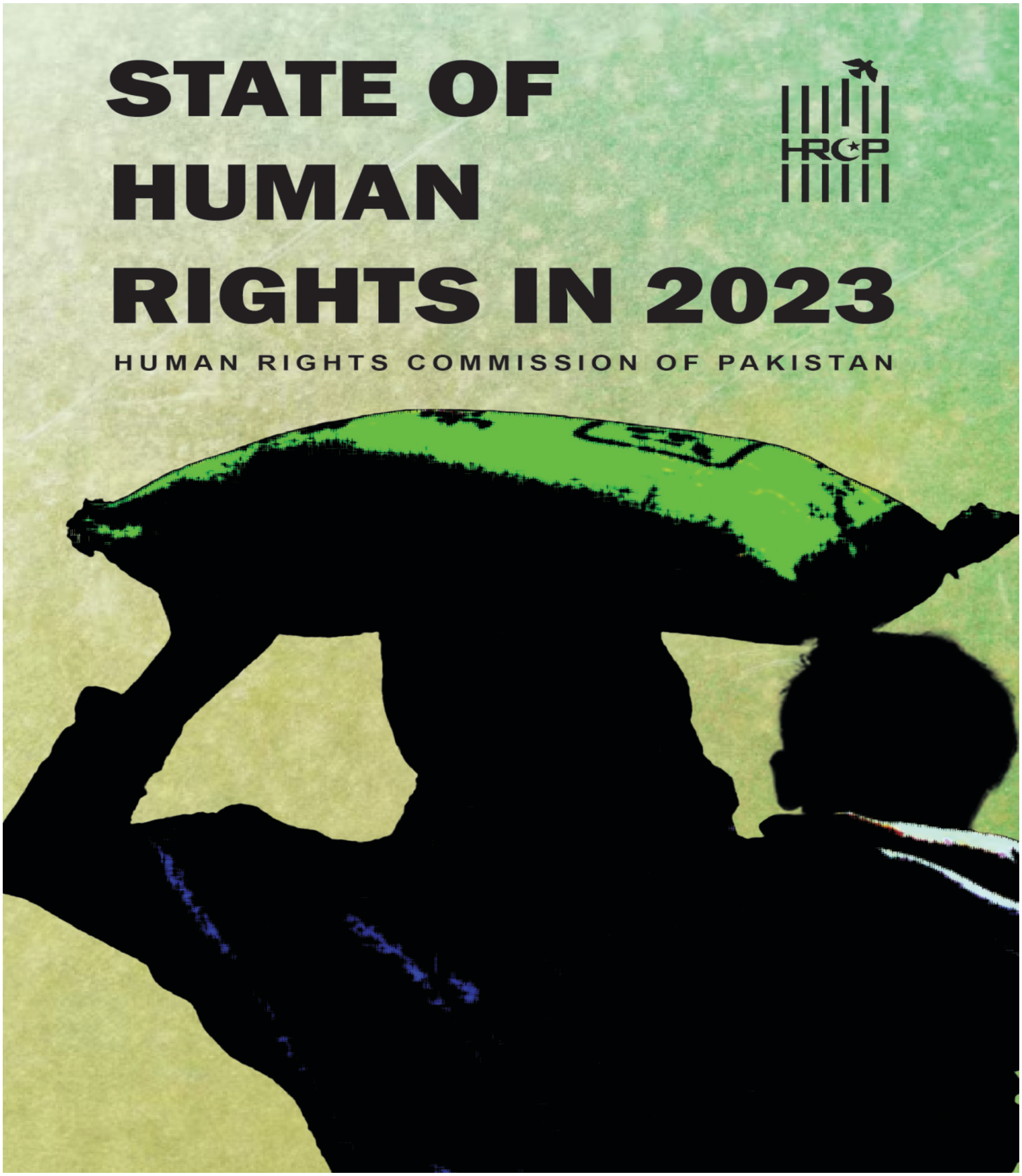
18دسمبر تارکین وطن کا عالمی دن

20دسمبر انسانی یکجہتی کا عالمی دن

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق جہدِ حق کے تمام قارئین کو آگاہ کرنا چاہتا ہے کہ
یہ رسالہ مفت ہے۔ قارئین کو کسی قسم کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے



ایوان جمہور 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور
فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز:
جمال احمد
سید رضا شاہ